انوشا عرب میں

انوشا کی آپ بیتی

دسواں حصّہ

# انوشا عرب میں

بچوں کے لئے ناول

محمد یونس حسرت

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار ۱۹۷۹

تعداد ۴۰۰۰

قیمت ۴۔۰۰

# فہرست

# راجا زمُورن کی اُلجھن

میں دھارا نگر سے مالا بار کی طرف روانہ ہُوا تو ایک نیا انوشا تھا۔ یہ وہ انوشا
نہیں تھا جو کبھی سارنگ بابا اور اُوشا کے ساتھ ٹیکسلا سے پاٹلی پُتر کی طرف
اِس لیے روانہ ہوا تھا کہ شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت کو اُس کا کھویا ہوا
راج پاٹ حاصل کرنے میں مدد دے سکے۔ اُوشا کو مُدّتیں ہوئیں سارنگ
بابا نے راج کُمار ناگ سین کا روپ دے کر بھوگ متی کے راجا کے دامن
میں ڈال دیا تھا، سارنگ بابا کو بھی میں منوں مٹّی کے نیچے دبا آیا تھا۔ اور

اب میں اپنے آپ کو اِس لُٹے بِٹے انوشا کی طرح محسوس کر رہا تھا جو اپنی ماں کے مرنے کے بعد پشکلاوتی سے پَرور پور کی طرف روانہ ہوا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے میں سارنگ بابا ہی کو نہیں، اُس انوشا کو بھی منوں مٹّی تلے دبا آیا ہوں جس کے آگے بڑے بڑے راجاؤں نے سر جھکائے تھے اور جس کی طاقت کا لوہا بڑے بڑے بلواؤں نے مانا تھا۔ سارنگ بابا کا سفر تو ختم ہو گیا تھا مگر میرا سفر ابھی جاری تھا۔

سارنگ بابا کے حُکم کے مطابق اب مُجھے مالابار کے راجا زَمُورن کے پاس جانا تھا۔ ایک نوکر کی طرح اُس کی خدمت کرنا تھی۔ جو وہ کہے، وہی کرنا تھا۔ اور یہ سوچتے ہوئے میرے ذہن میں بار بار ناگیش مہاراج کی بہت پہلے کی کہی ہوئی باتیں گونج رہی تھیں۔

"انوشا بیٹے! تُم نے دُنیا میں وہ کُچھ دیکھا ہے جو کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن

ابھی تمہیں اور بہت کُچھ دیکھنا ہے۔ تُم نے اپنی عمر کا ایک حصّہ شیش اور تکشک کے سائے میں گزارا ہے مگر اب شیش اور تکشک کو بھول جاؤ۔ مندروں میں رکھی ہوئی اِن مُورتیوں کو بھی بھول جاؤ جن کے آگے لوگ سر جھُکاتے ہیں۔۔۔ تُم دُنیا میں جاؤ گے تو دیکھو گے کہ وہاں ایک نئی روشنی پھیل رہی ہے۔"

میں نے یہ روشنی گوتم بُدھ کے پیغام کی صورت میں پھیلتے دیکھی تھی۔ اِس پیغام نے دیوی دیوتاؤں کو بھُلا کر رکھ دیا تھا، برہمن اور شودر کو ایک کر دیا تھا اور رسموں کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نجات کی ایک نئی راہ دِکھائی تھی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں نے گوتم بُدھ کو بھی دوسرے دیوی دیوتاؤں کی طرح بنا لیا تھا اور اُن کی مورتیاں بنا کر مندروں میں رکھ لی تھیں۔ اِس طرح بات پھر وہیں آ گئی تھی جہاں گوتم بُدھ

سے پہلے تھی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ شاید ناگیش مہاراج کا اشارہ گوتم بُدھ
کی طرف نہیں، کسی اور طرف تھا۔

"کس طرف تھا؟ یہ میں کُچھ نہیں کہہ سکتا تھا مگر سارنگ بابا نے آخری وقت
جو باتیں کہی تھیں، اُن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا تعلّق چاند کے دو
ٹکڑے ہونے کے واقعے سے ہے۔۔۔ مالابار کے راجا زَمُورن نے اپنی
آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا اور شاید اِسی لیے سارنگ بابا
نے مُجھے اِس راجا کی خدمت میں حاضری کا حُکم دیا تھا، اور جب میں مالابار کی
راجدھانی میں پہنچا تو حالات کی ایک ایسی تصویر میرے سامنے آئی جو
میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔

راجا زَمُورن کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام سرس وتی اور چھوٹی کا چندر اوتی
تھا۔ دونوں کی پرورش ایک جیسے ماحول میں ہوئی تھی مگر دونوں کی طبیعتوں

پر زمین آسمان کا فرق تھا۔ سرس وتی کو گیان دھیان سے دلچسپی تھی اور
چندراوتی کو مردوں کی طرح سیر و شکار شوق تھا۔ وہ بدن پر ہتھیار سجائے،
مردانہ لباس پہنے جنگل جنگل گھوڑا دوڑاتی پھرتی تھی۔ ہرنوں کو کمند ڈال کر
پکڑنا اُس کے لیے معمولی بات تھی۔ اُڑتے پنچھی تیر مار کر گرا لینا اُس کے
بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ تیر چھوڑتی تو اُس کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا۔ اُچھل کر
گھوڑے پر سوار ہوتی اور دوڑتے گھوڑے کی پیٹھ پر کھڑے ہو کر شیر اور
چیتے جیسے درندوں کو شکار کر لیتی تھی۔

سولہ سترہ برس کی عُمر کو پہنچتے پہنچتے دونوں راجا کماریوں کی خوب صورتی اور
ہنر کا چرچا دور دور تک پھیل چُکا تھا اور دور دور سے پیغام آنے لگے
تھے۔ راجا زَمُورن سوچ رہا تھا کہ وہ کس کا پیغام قبول کرے اور کِسے اِنکار
کر دے۔ یُوں تو جوتشیوں اور نجومیوں نے راجا کو بہت پہلے حساب لگا کر

بتا دیا تھا کہ وہ راج کُماری سرس وتی کے لیے پُورب کی طرف سے اور
راج کُماری چندراوتی کے لیے پچھم کی طرف سے بَر آئے گا۔ مگر اِس
حساب سے بات صاف نہیں ہوتی تھی۔ راجا صاف صاف جاننا چاہتا تھا کہ
اِس بارے میں دیوتاؤں کی کیا مرضی ہے؟

آخر اُس نے سومناتھ کے مندر میں جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ کاٹھیاواڑ میں
سمندر کے کنارے تھا اور سب مندروں سے زیادہ مشہور تھا۔ کہا جاتا تھا کہ
سومناتھ سب دیوتاؤں سے بڑا دیوتا ہے۔ دوسرے راجاؤں کی طرح مالا
بار کا راجا بھی ہر سال ایک بھاری رقم نذرانے کے طور پر سومناتھ کے
مندر میں بھیجتا تھا۔ لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد آدمی کی روح
سومناتھ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومناتھ ہر روح کو اُس کے پچھلے
عملوں کے مطابق نیا جسم عطا کرتا ہے۔ سورج یا چاند کو گرہن لگتا تھا تو

اِس مندر میں ڈھائی لاکھ کے قریب آدمی جمع ہو جاتے تھے اور چڑھاوے چڑھا کر مُرادیں مانگتے تھے۔

بہت سے راجاؤں نے کئی کئی گاؤں اِس مندر کے نام کر رکھے تھے اور اِس طرح دو ہزار سے زیادہ قصبوں اور دیہات کی آمدنی اِس مندر میں پہنچتی تھی۔ مندر میں پُوجا پاٹ کے لیے دو ہزار پُجاری ہر وقت موجود رہتے تھے۔ مندر کے اِس خاص حصّے کی چھت جس کے نیچے سومناتھ کا بُت رکھا ہوا تھا، چھپن (۵۶) ستونوں پر قائم تھی۔ بُت کی لمبائی پانچ گز تھی جس میں سے دو گز زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ مندر کے پُجاری ہر روز رات کے وقت بُت کو گنگا کے تازہ پانی سے دھوتے تھے اور اِس کے لیے چھ سو کوس دور سے گنگا کا پانی لایا جاتا تھا۔

مندر کے اندر، ایک کونے سے دوسرے کونے سے دوسرے کونے

تک سونے کی ایک زنجیر لگی تھی جس کا وزن دو سو من تھا۔ اِس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ زنجیر ہلانے پر گھنٹیاں بجتیں تو اُن کی آواز سُن کر پُجاری پوجا پاٹ کے لیے حاضر ہو جاتے تھے۔ پُجاریوں کے علاوہ مندر میں پانچ سو گانے ناچنے والی عورتیں اور تین سو سازندے رہتے تھے۔ پجاریوں کے سر اور ڈاڑھیاں مونڈنے کے لیے تین سو نائی مقرّر تھے۔ بہت سے راجا اپنی بیٹیوں کو سومناتھ کی خدمت کے لیے بھیج دیتے تھے اور یہ لڑکیاں اپنی تمام عُمر مندر میں گزار دیتی تھیں۔ کسی راجا کو کوئی مُشکل پیش آتی تو وہ سومناتھ کے مندر میں قیمتی نذرانے بھیجا اور پھر سومناتھ کے سب سے بڑے پجاری کی طرف سے جو حُکم یا جواب ملتا، اُس پر عمل کرتا۔ گوتم بُدھ نے آ کر یُوں تو بہت سے دیوی دیوتاؤں کا زور توڑ دیا تھا مگر سومناتھ کا زور اُسی طرح قائم تھا اور پھر جب لوگوں نے خود گوتم

بُدھ کو بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح پوجنا شروع کر دیا تو سومناتھ کے مندر میں چڑھاووں کی ریل پیل اور بھی بڑھ گئی اور مندر میں کروڑوں روپے کا سونا، چاندی اور ہیرے جواہرات جمع ہو گئے۔

راجا زَمُورن نے سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے کئی تھال سومناتھ کے مندر میں بھیجے۔ یہ نذرانہ قبول کرنے کے بعد سومناتھ کے مہاپُجاری نے سومناتھ کی طرف سے راجا زَمُورن کو جو جواب دیا، وہ کُچھ یوں تھا:

"راج کماری سرس وتی کی سگائی کام رُوپ کے راج کُمار سے ہوگی اور راج کُماری چندراوتی کا شوہر وہ بلوان ہو گا جو راجا کی سواری کے بِگڑے ہوئے ہاتھی کو سیدھا کرے گا۔" سومناتھ کے اِس حُکم کے مطابق راجا زَمُورن نے اپنی بیٹی راج کماری سرس وتی کی سگائی کام روپ کے راجا اگر سین

کے بیٹے راج کُمار چِتر سین سے کر دی اور راج کُماری چندراوتی کے بارے میں اُس دِن کا انتظار کرنے لگا جب اُس کی سواری کا ہاتھی بِگڑے اور کوئی بلوان اُسے سیدھا کرے۔

سومناتھ نے بھاری نذرانہ لینے کے باوجود راجا زَمُورن کی صرف آدھی مُشکل حل کی تھی۔ مگر جلد ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ معاملہ سُلجھنے کے بجائے اُلجھ گیا ہے۔ سرس وتی کو پوجا پاٹ کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ اُس کا ہونے والا شوہر چِتر سین پرلے درجے کا آوارہ تھا۔ اُس کے دِن شطرنج اور چوسر کھیلنے میں کٹتے تھے تو راتیں ناچ گانے میں۔ اُس کے مَن میں پاپ ہی پاپ اور لوبھ ہی لوبھ بھرا ہوا تھا، اور نیک دِل سرس وتی ایسے لچھن رکھنے والے راج کُمار کو اپنا شوہر تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔

چِتر سین کے متعلّق یہ باتیں جب تک سُنی سُنائی تھیں، تب تک راجا

زَمُورن نے اُنہیں کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ مگر ایک روز بھوانی داس نام کا ایک بیوپاری روتا پیٹا اُس کے دربار میں آیا۔ دیس دیس بیوپار کرتا وہ کام روپ چلا گیا تھا۔ وہ کام رُوپ کی راج دھانی کی ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا کہ راج کُمار چِتر سین نے دِن دہاڑے اُس کا سب مال اسباب چھین لیا۔ جوانی داس نے راجا اگر سین کے دربار میں جا کر فریاد کی تو اُس نے ایک نہ سُنی اور دھکّے دے کر دربار سے نِکلوا دیا۔

بھوانی داس کی دُکھ بھری فریاد سُن کر راجا زَمُورن کے ماتھے پر بل پڑ گئے مگر دوسرے ہی لمحے اُس کا غصّہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ راجا اگر سین اُس کا سمدھی تھا اور راج کُمار چِتر سین اُس کی بیٹی کا ہونے والا شوہر۔ اُس نے بھوانی داس کو اُس کے مال کی قیمت اپنے خزانے سے دِلوا دی۔ بھوانی داس راج زَمُورن کو دُعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

اگرچہ بھوانی داس کے معاملے میں کسی شک کی کوئی گُنجائش نہ تھی، پھر بھی راجا زَمُورن نے اپنے بوڑھے وزیر جگ دیو کو ہدایت کی کہ اِس معاملے کی تحقیقات کی جائے۔ جگ دیو نے تحقیقات کرائی تو پتا چلا بھوانی داس نے جو کُچھ بیان کیا وہ درست تھا۔ اِس پر راجا زَمُورن نے کام روپ کے راجا اگر سین کو لکھا کہ راج کُمار چِترسین کو سیدھی ڈگر پر لانے کا جتن کیا جائے اور اگر راج کُمار کے لچھن ٹھیک نہیں ہو سکتے تو سگائی کو ختم سمجھا جائے۔

راجا زَمُورن کے اِس خط کے جواب میں راجا اگر سین نے لکھا کہ راج کُماری سرس وتی کا بیاہ راج کُمار چِترسین کے ساتھ جلد سے جلد کر کے دیوتاؤں کی مرضی پوری کی جائے۔ راجا زَمُورن نے اگر سین کو سمجھانے کی کوشش کی تو اُس نے تاؤ کھا کر جنگ کی دھمکی دے دی۔

اِس دھمکی سے راجا زَمُورن کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اُس نے

اپنے بُوڑھے وزیر جگ دیو کو طلب کیا اور اُس سے کہا۔

"جگ دیو جی! کیا ہم کام روپ کے باج گزار ہیں یا ہماری سرس وتی اگر سین کی باندی ہے؟"

"نہیں مہاراج!" جگ دیو نے کہا۔ "ایسا کون کہتا ہے؟"

"ہم چاہتے ہیں کہ اگر سین کی اِس دھمکی کا پورا پورا جواب دیا جائے۔" راجا زَمُورن نے بے چینی سے ٹہلتے ہوئے کہا۔ "اگر سین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم مٹّی کے بنے نہیں ہیں، اینٹ کا جواب پتھّر سے دے سکتے ہیں۔ جاؤ اور کام روپ پر چڑھائی کی تیّاری کرو!"

بُوڑھے وزیر نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑے ادب سے کہا۔ "حوصلہ کیجئے مہاراج! ایک غَلَطی کا علاج دُوسری غَلَطی نہیں ہوا کرتی۔"

"کیا بکتے ہو؟" راجا زَمُورن نے غصّے سے کہا۔ "اگر سین کی دھمکی نے ہمارے دِل میں آگ لگا رکھی ہے۔ ہم چاہتے ہیں ابھی فوج لے کر جائیں اور سارے کام روپ کو تہس نہس کر ڈالیں۔"

بُوڑھے جگ دیو نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی، پھر کہنے لگا۔ "مہاراج! آپ جانتے ہیں کہ یہ سگائی سومناتھ جی کے حُکم سے ہوئی ہے۔ اِس لیے کُچھ کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اب دیوتاؤں کی کیا مرضی ہے۔"

"تُم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔" راجا زَمُورن نے کہا۔ "ایسا ہی ہوگا۔ ہم ایک بار پھر معلوم کرتے ہیں کہ اب سومناتھ جی کی کیا مرضی ہے۔"

راجا زَمُورن کے حُکم پر ایک بار پھر چاندی سونے اور ہیرے جواہرات

سے بھرے ہوئے کئی تھال سومناتھ کے مندر بھیجے گئے اور یہ نذرانہ قبول کرنے کے بعد سومناتھ کے مہاپُجاری نے سومناتھ کی طرف سے راجا زَمُورن کو جو جواب دیا، وہ کُچھ یوں تھا :

"راج کُماری سرس وتی کی سگائی کام روپ کے راج کُمار سے ہو چُکی ہے۔ یہ سگائی بنی رہے گی، اور راج کُماری چندراوتی کا شوہر وہی بلوان ہو گا جو راجا کی سواری کے بگڑے ہوئے ہاتھی کو سیدھا کرے گا۔ راجا کو چتر سین کے بچّوں کی پروا نہیں کرنا چاہیے۔ پورے چاند کی رات کو ایک ناگ راج کُماری سرس وتی کے سامنے آئے گا۔ راج کُماری کو چاہیے کہ اُس کے سامنے ماتھا ٹیک دے۔ چتر سین اپنے سارے بُرے لچھّن اُسی وقت چھوڑ دے گا۔"

سومناتھ کے اِس جواب کے باوجود راجا زَمُورن کو اطمینان نہ ہوا۔ نہ اُسے

یہ معلوم تھا کہ اُس کی سواری کا ہاتھی کب بگڑے گا اور نہ یہ کہ اُسے سیدھا کرنے والا بلوان کب اور کہاں سے آئے گا۔ سومناتھ نے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ ناگ راج کُماری سرس وتی کے سامنے کس مہینے کے پورے چاند کی رات کو آئے گا جس کے سامنے سرس وتی کے ماتھا ٹیکتے ہی راج کُمار چترسین کے بڑے لچھّن ختم ہو جائیں گے۔ راج کُمار چترسین کے بُرے لچھّن دُور کرانے والا ناگ تو راج کُماری سرس وتی کے سامنے نہ آیا، مگر خود راج کُمار چترسین اپنے تمام بُرے لچھّنوں اور ساتھیوں سمیت مالابار کی راجدھانی کدنگانور پہنچ گیا۔

چترسین نے مالابار سے آنے والے مسافروں اور سوداگروں کی زبانی بی سُن لیا تھا کہ راج کُماری چندراوتی اُس کی منگیتر سرس وتی سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے۔ وہ شکار کا بہانہ کر کے کام روپ سے چلا اور اپنے چند

ساتھیوں کے ساتھ کدنگا نور آ پہنچا۔ اُس نے راجا زَمُورن کا مہمان بننے کے بجائے شہر سے کُچھ فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں ایک چشمے کے کنارے ڈیرے ڈال دیے اور دِن رات راج کُماری چندراوتی کی تلاش میں رہنے لگا۔ اُس کا خیال تھا کہ جب راج کُماری چندراوتی شکار کے لیے نکلے گی تو اُس سے اُس کی ملاقات آسانی سے ہو جائے گی۔ اِس کے بعد کیا کرنا تھا یہ اُس نے اپنے ساتھیوں کو اچھّی طرح سمجھا دیا تھا۔

راج کُمار چترسین اور اُس کے ساتھی مُنہ اندھیرے ہی بھیس بدل کر شہر میں آ جاتے اور راج کُماری چندراوتی کے محل کے آس پاس منڈلاتے رہتے تھے۔

چترسین کو زیادہ دِن انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک دِن کہ موسم صاف اور سُہانا تھا، چندراوتی نے تیر کمان سنبھالی، ہتھیار بدن پر سجائے اور اپنی دو

سہیلیوں کے ساتھ شکار کو نکل کھڑی ہوئی۔ چتر سین نے راج کُماری کو محل سے نکلتے دیکھا تو وہ اور اُس کے ساتھی پیچھے ہو لیے۔

راج کُماری چندراوتی اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتی ایک ایسی وادی میں جا نکلی جس کے دونوں طرف اُونچے اُونچے پہاڑ تھے۔ سامنے ایک بَل کھاتی ہوئی ندی بہہ رہی تھی اور ندی کے ساتھ جانوروں سے بھرا ہوا جنگل تھا۔

راج کُماری نے ندی کے کنارے ایک چٹّان کے پاس گھوڑا روکا اور اسے ایک پیڑ سے باندھ دیا۔ اس کی سہیلیاں بھی اپنے گھوڑے پیڑوں سے باندھ کر اُس کے پاس کھڑی ہوئیں۔ اُنھوں نے تیروں سے چند مُرغابیوں کا شکار کیا اور پھر آگے چل دیں۔

راج کُمار چترسین اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن کا پیچھا کر رہا تھا۔ لمبی لمبی گھاس سے نکل کر راج کُماری چندراوتی اس جگہ پہنچی جہاں جھاڑیوں اور خوشبودار جنگلی پھولوں کی بہتات تھی تو راج کُمار چترسین اور اُس کے ساتھی ایک دم اُن کے سامنے آ گئے اور اُنھوں نے راج کُماری کو گھیرے میں لے لیا۔ راج کُماری اور اُس کی سہیلیوں نے تلواریں سونت لیں اور چترسین پر ٹوٹ پڑیں۔ اُن کا حملہ اتنا اچانک تھا کہ چترسین اپنے بچاؤ کے لیے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اُسے پیچھے ہٹتے دیکھ کر اُس کے ساتھیوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور راج کُماری اور اُس کی سہیلیوں کے مقابلے پر آ گئے۔

راج کُماری چندراوتی اور اُس کی سہیلیاں یوں تو تلوار چلانے میں بڑی مہارت رکھتی تھیں مگر ایک تو عورت ذات تھیں، دُوسرے اُن کے

مُقابلے میں ایک نہ دو پورے گیارہ مرد تھے۔ وہ تلوار چلاتے چلاتے جلد ہی تھک گئیں۔ قریب تھا کہ راج کُماری چندراوتی اور اُس کی سہیلیاں نڈھال ہو کر گر پڑیں کہ ایک نوجوان نہ جانے کس طرف سے ظاہر ہوا اور حملہ آوروں کو للکارتا ہوا اُن پر پل پڑا۔ اُس کی تلوار میں بجلی کی سی تیزی اور کاٹ تھی۔ ذرا سی دیر میں اُس نے چتر سین اور اُس کے ساتھیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ چتر سین اور اُس کے ساتھی بھاگ گئے تو راج کُماری چندراوتی نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر اُس کی نظر اُس نوجوان پر پڑی جس نے اُس کی جان بچائی تھی۔ وہ لمبے قد اور مضبوط جسم کا تھا۔ راج کُماری نے کہا:

"اے نوجوان! ہم تمہارا شکریہ کسی مُنہ سے ادا کریں۔ تُم نے ہمیں ایک بہت بڑی مُصیبت سے بچا لیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تُم کون ہو اور

کہاں سے آئے ہو؟"

نوجوان نے جواب دیا۔ "میں عرب کے ایک قبیلے عیلان کے سردار نسر کا بیٹا ثوبان ہوں۔"

"یہاں کیسے آنا ہوا ہے؟"

"میرے چچا کئی برس پہلے مُجھے اپنے ساتھ سراندیپ (سری لنکا) لے گئے تھے۔ وہاں وہ تجارت کرتے ہیں۔ اور میں اُنھی کے ساتھ واپس جا رہا ہوں۔"

راج کُماری کی ایک سہیلی نے راج کُماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ راج کُماری چندرا وتی ہیں۔ ہمارے راجا کی چھوٹی بیٹی۔ آؤ، ہمارے ساتھ محل میں چلو۔ زَمُورن مہاراج تمھیں انعام دیں گے۔"

ثوبان بولا۔ "میں نے تمہاری راج کُماری پر کوئی احسان نہیں کیا، بلکہ ایک عرب کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

"اِس کے لیے میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" راج کُماری چندراوتی نے کہا۔

محل میں پہنچ کہ راج کُماری چندراوتی نے اپنے باپ کو یہ قصّہ سُنایا تو راجا زَمُورن غصّے سے ہونٹ کاٹنے لگا۔ دیوتاؤں کے حُکم نے اُس کے ہاتھ پیر باندھ دیے تھے، اِس لیے وہ کُچھ نہیں کر سکتا تھا۔

راج کُمار چترسین اور اُس کے ساتھی عرب نوجوان ثوبان کے ہاتھوں مار کھا کر بھاگے تو سیدھے اپنے ڈیرے پر جا کر رُکے۔ اُنہیں اُس نوجوان کے ہاتھوں اپنی شکست کا سخت دُکھ تھا۔ چترسین نے تو ایسی ذلّت آج تک

نہیں اُٹھائی تھی۔ وہ اور اُس کے ساتھی عرب نوجوان سے بدلہ لینے کی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ وہ واقعہ پیش آگیا جس کی طرف سومناتھ کے مہا پُجاری نے اشارہ کیا تھا۔ راجا زَمُورن کی خاص سواری کا ہاتھی بگڑ گیا اور مستی میں آکر سارے کدنگا نور میں تباہی مچا دی۔ اُس کے ڈر سے گلیاں اُجاڑ اور بازار سُنسان ہو گئے۔ راج محل کے مہاوتوں نے اُسے قابو میں کرنے کی بہت کوشش کی مگر اُس کے سامنے کسی کی پیش نہ چلی۔

راجا زَمُورن جان گیا تھا کہ سومناتھ کے مہاپُجاری نے جو بات کہی تھی وہ پوری ہونے والی ہے۔ اُس نے سارے شہر میں منادی کرا دی کہ جو دیسی یا پردیسی سورما اس ہاتھی کو قابو میں کرے گا، راج کُماری چندراوتی کی شادی اُسی سے ہوگی۔

راج کُمار چترسین نے یہ منادی سُنی تو اُس کے سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا اور

وہ بھی قسمت آزمانے کے لیے تیّار ہو گیا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ وہ مست ہاتھی پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کام روپ میں اُس نے کئی جنگلی ہاتھیوں کو سدھایا تھا اور کئی مُنہ زور ہاتھیوں کی سواری کی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اِس ہاتھی کو قابو میں کر لینا تو ایک بالکل ہی معمولی بات ہے۔

وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر کے اُس چوک میں آیا جہاں ہاتھی نے اُدھم مچا رکھا تھا اور تلوار سونت کر ایک کونے میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھی اپنی دُھن میں دیواروں پر ٹکریں مارتا قریب آیا تو چترسین نے تلوار سے اُس کی سونڈ پر وار کیا مگر وار اَوچھا پڑا۔ سونڈ کٹنے کے بجائے ذرا سی زخمی ہو گئی۔ ہاتھی نے ایک زور کی چنگھاڑ ماری۔ چترسین کو اپنی سونڈ میں لپیٹا اور پھر بڑے زور سے ایک طرف کو اُچھال دیا۔ چترسین کی قسمت اچھّی تھی کہ وہ زمین پر گرنے کے بجائے ایک دُکان کے چھجّے پر گرا۔ زمین پر

گِرتا تو ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ پھر بھی وہ خاصا زخمی ہو گیا تھا۔ اُس نے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی تو اُٹھا ہی نہ گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے گھسیٹ کر اُسے چھجّے پر سے اُتارا اور مرہم پٹّی کرا کے اپنے ٹھکانے پر لے گئے۔

چتر سین کے بعد کئی اور پہلوانوں نے ہاتھی کو بس میں کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ ہاتھی دیواروں سے ٹکریں مارتا اور چھوٹی بڑی چیزوں کو سونڈ میں پکڑ کہ اُچھالتا پھر رہا تھا۔ بہادر سے بہادر شخص کو اُس کے قریب جانے کا حوصلہ نہ تھا۔

اِتنے میں عرب نوجوان ثوبان اپنے چند عرب ساتھیوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ منادی کی آواز اُس کے کانوں میں بھی پڑی تھی۔ مست ہاتھی کو دیکھ کر اُس کے دِل میں ایک لہر اُٹھی۔ اُس نے نیزہ ہاتھ میں لیا اور چوک کے ایک کوٹھے پہ چڑھا۔

پہاڑ سا ہاتھی دیواروں سے ٹکّریں مارتا اُس کوٹھے کے نیچے آیا تو ثوبان جھٹ چھلانگ لگا کر اُس کی پیٹھ پر آگیا اور نیزے سے اُس کی لہراتی ہوئی سُونڈ پر وار کرنے لگا۔ وہ بار بار ہاتھی کی سُونڈ میں نیزہ چبھو رہا تھا اور چیختا چنگھاڑتا ہاتھی یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اُسے سونڈ سے پکڑ کر نیچے گرا دے اور پھر اپنے بھاری پیروں تلے کُچل کر رکھ دے مگر ثوبان اُس کی گردن سے چمٹا نیزے سے سونڈ پر وار کرتا رہا۔ ہاتھی کی سُونڈ لہولہان ہو گئی۔

جب ہاتھی کے جسم سے بہت سا خون بہہ گیا تو اُس کی ساری مستی دور ہو گئی اور وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ ڈرے سہمے لوگ خوشی کے نعرے لگاتے کونوں کھُدروں سے نکل آئے۔

راجا زَمُورن کو یہ خبر ملی تو وہ بھی پالکی میں سوار ہو کر اُس جگہ آ پہنچا۔ اُس نے خوش ہو کر ثوبان کو سینے سے لگایا اور سونے چاندی کے سِکّوں سے بھرا ہوا

تھال اُس کے سر پر سے وار کر غریبوں میں بانٹ دیا۔ اِس کے بعد وہ
ثوبان کو پالکی میں بٹھا کر محل میں لے گیا اور نجومیوں اور پنڈتوں کو بُلا کر کہا :

"سومناتھ جی کا کہا پورا ہو گیا ہے۔ اُن کے حُکم کے مطابق راج کُماری
سرس وتی کا بیاہ کام روپ کے راج کُمار چتر سین سے ہونا ہے اور راج
کُماری چندراوتی اِس عرب نوجوان ثوبان کی بیوی بنے گی جس نے ہماری
سواری کے مست ہاتھی کو قابو میں کیا ہے۔ اب تم حساب لگا کر بتاؤ کہ
دونوں راج کُماریوں کے بیاہ کے لیے مُبارک وقت کون سا ہے؟"

نجومی اور پنڈت اپنی اپنی پوتھیاں کھول کر حساب لگانے بیٹھے، کئی دِن
تک حساب لگاتے رہے۔ نہ جانے ستاروں کی چال میں کیا گڑبڑ تھی کہ
ایک نجومی کا حساب دوسرے نجومی سے مل ہی نہیں رہا تھا اور وہ یہ فیصلہ
نہیں کر پا رہے تھے کہ راج کُماریوں کے بیاہ کے لیے کون سا دِن اور

وقت اچھّا رہے گا۔

نجومیوں کو اُلجھن میں پڑے دیکھ کر خود راجا زَمُورن بھی اُلجھن میں پڑ گیا۔ دیوتاؤں کا کہا تو پورا ہو چکا تھا اور اب راج کُماریوں کے بیاہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونا چاہیے تھی، مگر ابھی چتر سین نے اپنے بُرے پچھّن نہیں چھوڑے تھے۔ اُس کے بُرے پچھّن چھڑانے والا ناگ راج کُماری سرس وتی کے سامنے نہیں آیا تھا۔ جب تک وہ ناگ سرس وتی کے سامنے نہیں آتا اور سرس وتی اس کے سامنے ماتھا نہیں ٹیک دیتی، تب تک راجا کُمار چتر سین کے بُرے پچھّن دُور نہیں ہو سکتے تھے اور جب تک چتر سین کے بُرے پچھّن دُور نہیں ہوتے، سرس وتی اُسے اپنا شوہر ماننے پر راضی نہیں ہو سکتی تھی۔

راجا زَمُورن کا دِل بُجھ سا گیا۔ نہ جانے پورے چاند کی وہ رات کون سے

مہینے آئے گی جب دیوتاؤں کا یہ کہا پورا ہو گا۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ تین دِن بعد ہی تو پورے چاند کی رات ہے، ہو سکتا ہے دیوتاؤں کا کہا اُسی رات پورا ہو جائے اور وہ ناگ سرس وتی کے سامنے آجائے!

مگر پُورے چاند کی رات کو راجا زَمُورن نے وہ منظر دیکھا جو کبھی اُس کے وہم و گمان میں کبھی نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اپنے محل کی چھت پر کھڑا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ آسمان پر آب و تاب سے چمکتا ہوا چاند اچانک دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ پہلے تو اُس نے اِسے اپنی نگاہوں کا وہم سمجھا مگر یہ وہم نہ تھا۔ چاند واقعی دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ ایک ٹکڑا محل کے ایک طرف نظر آ رہا تھا اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف۔ دونوں ٹکڑے تھوڑی دیر کے لیے الگ الگ رہے اور پھر آپس میں جُڑ کر ایک ہو گئے! اگلے دِن راجا زَمُورن نے پھر نجومیوں اور پنڈتوں کو اپنے دربار میں طلب کیا، چاند کے دو ٹکڑے

ہونے کا واقعہ اُنہیں بتایا اور کہا :

”ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا کیا مطلب ہے ؟ تم اِس کے لیے جتنی مُہلت چاہو لے سکتے ہو۔ ہم مہا راجا ہرش وردھن کی مجلس میں شریک ہونے کے لیے قنوج جا رہے ہیں۔ ہماری واپسی تک تمھیں مہلت ہی مہلت ہے۔“

اور پھر وہ اپنے بُوڑھے وزیر جنگ دیو سے کہنے لگا۔ ”جگ دیو جی! جب تک ہم واپس نہیں آتے، راج پاٹ کا سارا کام تمھیں سنبھالنا ہوگا۔ ہم ثوبان سے بھی کہہ دیں گے کہ وہ اپنے چچا کے ساتھ یہیں رہے اور راج پاٹ کے کاموں میں تمہارا ہاتھ بٹاتا رہے۔“

راجا زَمُورن تو بوڑھے جگ دیو اور ثوبان کو راج پاٹ کا کام سونپ کر قنوج

روانہ ہو گیا اور نجومی اپنی بھاری کتابوں میں کھو گئے۔ بہت دِنوں تک وہ
اپنی کتابوں کو کھنگالتے رہے مگر ایسا کوئی اشارہ نہ ملا جس سے وہ یہ جان
سکتے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ کِس بات کی نشانی ہے! آخر
اُنھوں نے آپس میں صلاح کر کے سومناتھ کے مندر سے رجوع کیا۔ اُن
میں سے ایک نجومی سونے کا ایک تھال لے کر مندر گیا مگر نذرانہ قبول
کرنے کے بعد سومناتھ کے مہا پُجاری نے سومناتھ کی طرف سے صرف یہ
جواب دیا۔

"شامل دیپ۔"

یہ تو اُن کے مُلک عرب کا وہ نام تھا جو ہندوستان کی مقدّس کتابوں میں آیا
تھا۔ اِس سے یہ اشارہ ملتا تھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے واقعے کا
تعلّق شامل دیپ سے ہے۔ اِس اشارے نے نجومیوں اور پنڈتوں کو راہ

دِکھائی۔ چند ماہ بعد راجا زَمُورن قنوج سے واپس آیا تو ایک بُوڑھے پنڈت نے راجا کو اِس جواب سے آگاہ کیا جو سومناتھ کی طرف سے ملا تھا۔ پھر کہنے لگا :

"مہاراج! ہماری مقدّس کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ہمارا دیس چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں بٹ جائے گا اور پاپ بڑھ جائیں گے تو دُنیا میں خُدا کا ایک نبی آئے گا اور دھرتی کا بوجھ ہلکا کرے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاک نبی ظاہر ہو چکا ہے اور اُسی نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دِکھایا ہے۔"

ایک اور پنڈت کہنے لگا۔ "مہاراج! یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے متعلّق ہماری کتابوں میں خبر دی گئی ہے کہ وہ آخری زمانے میں شامل دیپ میں پیدا ہوں گے۔"

ایک اور نجومی نے کہا۔ "مہاراج! فارس کے حکیم جاماسپ نے لکھا ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ عرب میں پیدا ہونے والا پیغمبر دکھائے گا اور جو اُس پیغمبر کو سچّا جانے گا اور اُس پر ایمان لائے گا اُسے نہ اِس دُنیا میں کوئی رنج پہنچے گا اور نہ دوسری دُنیا میں۔"

نجومیوں اور پنڈتوں نے جو کُچھ کہا اُس سے راجا کو صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ پُرانی کتابوں میں اِس بات کی خبر دی گئی ہے کہ آخری زمانے میں شامل دیپ کے ملک میں ایک بہت بڑا پیغمبر پیدا ہو گا، اور چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ اس کے ہاتھ سے ظاہر ہو گا۔

راجا کا دِل اُس نبی کے سچّے ہونے کی گواہی دے رہا تھا اور وہ اُس کے قدموں میں اپنا سر رکھ دینے کو بھی تیّار تھا مگر ابھی اُسے یہ بات معلوم نہ ہو سکی تھی کہ کیا واقعی یہ نبی شامل دیپ میں ظاہر ہوا ہے یا کہیں اور؟

ثوبان اگرچہ اُسی عرب دیس کا رہنے والا تھا۔ مگر اُسے بھی اِس بارے میں کُچھ معلوم نہ تھا۔ وہ تو کئی برس پہلے اپنے چچا کے ساتھ سراندیپ چلا آیا تھا اور اُس کے ساتھ عرب واپس جاتے ہوئے مالابار میں چند دِن کے لیے رُک گیا تھا۔

اب راجا کو ثوبان کے چچا کی واپسی کا یا عرب سے آنے والے کسی ایسے شخص کا انتظار تھا جو اُسے اِس نبی کے بارے میں ٹھیک ٹھیک باتیں بتا سکے۔

# ڈنڈک کا جادُوگر

جب راجا زَمُورن نے قنوج جانے سے پہلے راج پاٹ کے انتظام میں اپنے بُوڑھے وزیر جنگ دیو کے ساتھ ثوبان کو شریک کیا تھا تو راج کُمار چترسین جل کر کوئلا ہو گیا تھا۔ یہ اُس کی بہت بڑی توہین تھی۔

مگر اُسے معلوم تھا کہ راجا پر ثوبان کا جادُو چل چکا ہے۔ اُسے صاف دِکھائی دے رہا تھا کہ ثوبان کے جیتے جی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے جی میں ٹھان چکا تھا کہ ثوبان کو ٹھکانے لگائے بغیر چین سے نہیں

بیٹھے گا۔ مگر یہ بھی جانتا تھا کہ وہ نہ تو ثوبان کو شکست دے سکتا ہے اور نہ
کسی اور طریقے سے اُسے راجا کی نظروں سے گرا سکتا ہے۔

اور پھر بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔ ثوبان کا جانی دُشمن ہونے کے
باوجود وہ ثوبان کے قتل کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتا تھا۔ اِس سے اُس
کے راستے میں کئی مُشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ اِس کے بجائے وہ کوئی
ایسا راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی سلامت
رہے۔ آخر اپنے ساتھیوں کی صلاح سے اُس نے اِس کام کے لیے کسی
جادُوگر کا سہارا لینے کا فیصلہ کیا۔

راج کُمار چترسین اور اُس کے ساتھی بہت دِنوں تک کسی اچھّے جادُوگر کی
تلاش میں رہے۔ جادُو ٹونے کرنے والوں کی مالابار میں بھی کمی نہیں ملتی
مگر وہ مالابار کے کسی جادُوگر پر بھروسا نہیں کر سکتے تھے۔ دُور دُور گھوم پھر

کر آخر چتر سین کے ایک ساتھی نے ایک ایسے جادُوگر کا پتا چلایا جو ڈنڈک کے پہاڑی جنگلوں کے اندر ایک غار میں رہتا تھا۔ اس غار میں رہتے اُسے چالیس سال ہو گئے تھے۔ ہوا میں پرندوں کی طرح اُڑنا اور کھڑاؤں پہن کر پانی پر چلنا اُس کے لیے معمولی بات تھی۔ ناممکن سے ناممکن کام وہ چُٹکیوں میں کر ڈالتا تھا۔

راج کُمار چتر سین اس جادُوگر کے یہ کمال سُن کر بُہت خوش ہوا اور پھر ایک دِن اپنے دو ساتھیوں کو لے کر جادُوگر کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو غار کے دروازے ہی پر چھوڑا اور خود سونے کے سکّوں سے بھری ایک تھیلی لے کر اندر داخل ہوا۔

غار کے اندر جادُوگر آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ سامنے زمین پر ایک انسانی کھوپڑی پڑی تھی۔ غار کی دیواروں پر کئی انسانی پنجر اور

جانوروں کے ڈھانچے لٹک رہے تھے۔ جادُوگر کے عین سامنے غار کی
چھت پر کُچھ تلواریں اور نیزے لٹک رہے تھے۔ اور کبھی ایسی کئی چیزیں
تھیں جو جادُوگر اور اُس کے غار کو ڈراؤنا بنا رہی تھیں۔ راج کُمار چتر سین
نے جاتے ہی سونے کے سکّوں کی تھیلی جادُوگر کے سامنے رکھ دی اور با
ادب ہو کر بیٹھ گیا۔ جادُوگر آنکھیں بند کیے مُنہ ہی مُنہ میں کسی منتر کا جاپ
کر رہا تھا۔ چتر سین انتظار کرنے لگا کہ وہ جاپ ختم کر کے آنکھیں کھولے تو
اپنی مُشکل بیان کرے۔

کچھ دیر بعد جادُوگر کا جاپ ختم ہوا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں اور راج کُمار چتر
سین کی طرف دیکھا۔ چتر سین سر پاؤں تک کانپ گیا۔ جادُوگر کی لال لال
انگارا سی آنکھوں کا سامنا کرنے کی ہمّت اُس میں نہیں تھی۔ وہ بے
اختیار اُس کے قدموں میں گِر گیا۔

”مہاراج! میرے لیے کُچھ کیجیے!“

جادُوگر نے ایک نظر سونے کے سکّوں کی تھیلی پر ڈالی اور پھر رُعب دار آواز میں بولا۔ ”کیوں آئے ہو؟“

چتر سین نے جلدی جلدی ساری بات کہہ ڈالی۔ جادُوگر بولا۔ ”ابھی لو! ابھی سارا کام ہوا جاتا ہے۔“

یہ کہتے ہوئے اُس نے کوئی منتر پڑھا اور چھت میں لگی ہوئی ایک تلوار کی طرف پھُونک ماری۔ تلوار اپنے آپ نیام سے نکلی اور مالا بار کی طرف روانہ ہو گئی۔ جادُوگر آنکھیں بند کر کے پھر کسی منتر کا جاپ کرنے لگا۔

کُچھ ہی دیر بعد اچانک غار کے باہر دو آدمیوں کی چیخیں گونج گئیں اور اِس کے ساتھ ہی یُوں چھن سے آواز آئی جیسے کوئی چیز پتھّر پر گِر کر ٹوٹ گئی ہو۔

راج کُمار چتر سین حیرت اور خوف سے اُچھل پڑا اِس لیے کہ وہ چیخیں اُس کے اُن دو ساتھیوں کی تھیں جنہیں وہ غار کے دروازے کے باہر چھوڑ آیا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی جادُوگر بھی حیرانی سے اُچھل پڑا، اِس لیے کہ وہ چیخ کی سی آواز اُسی تلوار کی تھی جسے اُس نے تھوڑی دیر پہلے مالا بار کی طرف روانہ کیا تھا۔

چتر سین اور جادُوگر دونوں غار سے باہر آئے۔ وہاں انہوں نے وہ کُچھ دیکھا جس کا اُنھیں گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ راج کُمار کے دونوں ساتھی مرے پڑے تھے، اُن کے سر تن سے جُدا تھے اور کُچھ دُور جادُوگر کی تلوار ٹوٹی پڑی تھی۔

جادُوگر پھٹی پھٹی نظروں سے ٹوٹی ہوئی تلوار کو دیکھتا رہا اور پھر ایک چیخ اُس کے ہونٹوں سے نکلی:

"انوشا!"

اور اس کے ساتھ ہی وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر راج کُمار چترسین سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ اُسے کد نگا نور پہنچ کر معلوم ہوا کہ جادُوگر انوشا کا نام لے کر کیوں فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ اُس نے تو اپنا کام پورا کر دِکھایا تھا مگر عین آخری وقت پر انوشا نے آ کر رنگ میں بھنگ ڈال دی تھی۔ اُس نے نہ صرف ثوبان کو بچا لیا تھا بلکہ اِس تلوار کو جادُوگر کی طرف پلٹ دیا تھا۔ جادُوگر کے جاپ کی وجہ سے تلوار غار کے اندر نہیں جا سکی تھی، مگر وہ راج کُمار کے دونوں ساتھیوں کے سر تن سے جُدا کر کے اور خود ایک پتھرّ سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی تھی۔

یہ ایک عجیب اتّفاق تھا۔ میں دھارا نگر سے اِس لیے چلا تھا کہ راجا زَمُورن کے دربار میں حاضر ہو کر اُس کی خدمت کروں اور جو وہ کہے، وہی کروں۔ مگر اس سے پہلے کہ میں راجا زَمُورن کے پاس پہنچتا، قُدرت کی اَن دیکھی طاقتیں مُجھے شامل دیپ کے نوجوان ثوبان کے پاس لے گئی تھیں جو ایک جنگل میں ندی کے کنارے نرم نرم گھاس پر لیٹا سو رہا تھا۔ اُس کا گھوڑا اُس سے چند قدم دور ایک درخت سے بندھا ہوا تھا۔

اچانک بجلی کی طرح چمکتی ہوئی ایک تلوار ہوا میں تیرتی ہوئی آئی اور سیدھی سوئے ہوئے ثوبان کی طرف بڑھی۔ میرے لیے یہ سمجھنا مُشکل نہ تھا کہ یہ تلوار اپنے آپ نہیں آئی بلکہ بھیجی گئی ہے اور اُس کے پیچھے کسی جادُوگر کا جادُو کام کر رہا ہے۔ میں نے اپنی جگہ سے ایک چھلانگ لگائی اور ثوبان کے پاس پہنچ کر اُس کے گرد پھونک سے ایک حلقہ کھینچ دیا۔ تلوار ہوا میں

تیرتی ہوئی آئی مگر ثوبان سے کوئی چار ہاتھ اوپر ہی رُک گئی۔ اُس نے ثوبان کے گرد کئی چکر لگائے مگر اُس تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ میری پھونک کے حلقے نے ثوبان کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا اور اِس حلقے کو توڑنا تلوار کے لیے مُمکن نہ تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر تلوار کو پکڑ لیا۔ وہ میرے ہاتھ سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی مگر میں نے اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھا اور پھر غور سے دیکھا۔ یہ واقعی کسی جادُوگر کی تلوار تھی کیونکہ اُس پر کئی منتر لکھے ہوئے تھے۔ میں نے تلوار پر تھُوک دیا اور پھر کہا :

"جا! جہاں سے تُو آئی ہے وہیں واپس چلی جا اور جس کام کے لیے یہاں آئی تھی، وہ کام وہیں جا کے کر!"

یہ کہہ کر میں نے تلوار کو ہوا میں اُچھال دیا اور وہ جس طرف سے آئی تھی، اُسی طرف کو چلی گئی۔ پھر وہ کُچھ ہوا جو راج کُمار چتر سین نے جادُوگر کے غار کے باہر دیکھا تھا اور جسے دیکھتے ہی وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ تلوار کے واپس جانے کے ذرا دیر بعد ثوبان آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھا اور اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "توبہ توبہ! کیسا ڈراؤنا خواب تھا!"

"کیا تُم یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ ایک تلوار ہوا میں تیرتی ہوئی آئی ہے اور تمہارے گرد چکر کاٹ رہی ہے؟"

یہ الفاظ سُن کر ثوبان حیرانی سے اُچھل پڑا۔ چند لمحے وہ حیرانی سے مُجھے دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھ کر میرے ہاتھ تھام لیے۔

"ہاں، میں یہی خواب دیکھ رہا تھا۔" اُس نے کہا۔

"وہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی۔" میں نے کہا۔ "ایک تلوار ہوا میں تیرتی ہوئی آئی تھی۔ اُسے کسی جادُوگر کی طرف سے تمہارا کام تمام کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تمہاری قسمت اچھّی تھی کہ میں عین وقت پہ اِدھر آ نکلا اور اِس تلوار کو تُم سے چار ہاتھ اوپر ہی روک دیا اور پھر اُسے اُسی کی طرف پلٹ دیا جس نے اُسے بھیجا تھا۔"

"یہ ضرور چتر سین کی کارستانی ہوگی۔" ثوبان بولا۔ "وہ مُفت میں میری جان کا دُشمن بنا ہوا ہے۔" "یہ چتر سین کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ "اور تُم کون ہو؟"

ثوبان نے مُجھے اپنے اور چتر سین کے بارے میں بتایا اور جب وہ سب کُچھ کہہ چکا تو میں نے کہا۔ "اے عرب نوجوان! میں انوشا ہوں اور اپنے گرو سارنگ بابا کے حُکم پر مالا بار آیا ہوں تاکہ راجا زَمُورن کی خدمت کروں۔

لیکن قُدرت نے راجا سے پہلے مُجھے تمھارے پاس پہنچا دیا۔ راجا کی طرح تُم بھی مُجھے اپنا نوکر سمجھو۔"

"نوکر تو میں ہُوں آپ کا۔" ثوبان نے کہا۔ "آپ نے میری جان بچائی ہے۔ آپ نہ آتے تو چتر سین کا وار چل ہی چکا تھا۔"

"اچھّا، اچھّا! آؤ، اب کدنگا نور چلیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مُجھے راجا زَمُورن کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔"

ہم دونوں اکٹھے کدنگا نور پہنچے۔ کدنگا نور پہنچ کر ثوبان اپنے ٹھکانے کی طرف چلا گیا اور میں نے راجا زَمُورن کے محل کا رُخ کیا۔ ثوبان کے جُدا ہونے سے پہلے میں نے اُسے تاکید کر دی تھی کہ وہ جادُوگر کی تلوار کا ذکر کسی سے نہ کرے۔

# زَمُورن کے دربار میں

راجا زَمُورن نے مُجھے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا۔

"تم وہی انوشا نہیں ہو جسے ہم نے قنوج میں سارنگ بابا کے ساتھ دیکھا تھا؟"

"ہاں مہاراج! میں وہی انوشا ہوں!"

"سارنگ بابا کہاں ہیں؟"

"اب وہ اِس دُنیا میں نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "دھارا نگر میں اُن کے دِن پُورے ہو گئے تھے۔"

"ہم نے قنوج میں اُن کے اور تمہارے متعلّق بہت کُچھ سُنا تھا۔ ہم تُم سے بہت کُچھ کہنا چاہتے تھے مگر اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔ پھر تُم لوگ ہرش مہاراج کے ساتھ پریاگ چلے گئے اور ہم قنوج ہی سے واپس چلے آئے۔"

"ہم خود بھی آپ سے بہت کُچھ کہنا چاہتے تھے مہاراج۔ مگر وہاں اِس کا موقع نہیں تھا۔ اِسی لیے ہم پریاگ سے سیدھے اِدھر روانہ ہو گئے تھے مگر دھارا نگر پہنچ کر سارنگ بابا ہمیشہ کے لیے مُجھ سے جُدا ہو گئے اور میں اُن کے حُکم کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں، تاکہ ایک نوکر کی طرح آپ کی خدمت کروں۔ ہم نے قنوج میں سُنا تھا کہ تُم بہت پہنچے ہوئے جوگی ہو۔ بڑے بڑے راجا تمہارے آگے سر جھکاتے ہیں اور

بڑے بڑے سورما تمہارے آگے کان پکڑتے اور ماتھا رگڑتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"مہاراج!" میں نے جواب میں کہا۔ "سارنگ بابا کی مہربانی نے مُجھے بہت کُچھ دیا ہے، اور بہت کُچھ بنایا ہے۔ مگر میں اپنی طاقتوں کا لوہا منوانے کے لیے نہیں، ایک نوکر کی طرح آپ کی خدمت کرنے کے لیے آیا ہوں اور اِس کی ایک خاص وجہ ہے۔ جس وقت آپ اپنے محل کی چھت پر کھڑے چاند کو دو ٹکڑے ہوتا دیکھ رہے تھے تو میں آپ کو خواب میں دیکھ رہا تھا۔"

"تو پھر تُم یقیناً ہماری وہ اُلجھن بھی دُور کر سکو گے۔ ہمارے نجومیوں اور پنڈتوں نے ہمیں جو کُچھ بتایا ہے، اُس سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پرانی کتابوں میں اِس بات کی خبر دی گئی ہے کہ آخری زمانے میں شامل

دیپ کے مُلک میں ایک بہت بڑا نبی پیدا ہو گا اور چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ اُس کے ہاتھ سے ظاہر ہو گا۔ ہمارا دِل اُس نبی کے سچّے ہونے کی گواہی دیتا ہے اور ہم اُس کے قدموں میں اپنا سر رکھ دینے کو تیّار ہیں مگر کوئی ہمیں یہ تو بتائے کہ وہ شامل دیپ میں ظاہر ہوا ہے یا کہیں اور؟ ابھی تک شامل دیپ سے کوئی آدمی ایسا نہیں آیا جو ہمیں اُس کی خبر دے سکے۔ ہم نے قنوج میں سُنا تھا کہ تُم کھڑے کھڑے پورب، پچھّم، اُتر، دکھّن کی خبر لا سکتے ہو۔ کیا تم ہمیں اِس بارے میں کوئی بات بتا سکتے ہو؟"

راجا زَمُورن کے اِن الفاظ کے ساتھ ہی میں نے اپنے آپ کو کھُلے سمندر میں سفر کرنے والے ایک جہاز کے مسافروں کے درمیان محسوس کیا۔ اُن کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک تجارتی جہاز ہے جو عرب سے

روانہ ہوا ہے اور مالا بار سے ہوتا ہوا سراندیپ جا رہا ہے۔ میں اُن کی باتیں غور سے سُننے لگا۔ ان میں سے کُچھ مسافروں کو مالا بار پہنچنے کی جلدی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ ہمارے سوال کا جواب ملا یا کہ نہیں؟"

راجا زَمُورن کے یہ الفاظ میرے کان میں پڑے اور اِس کے ساتھ ہی میں آنکھیں کھول کر کھُلے سمندر سے پھر راجا زَمُورن کے دربار میں آگیا۔

"مہاراج! ایک تجارتی جہاز عرب سے روانہ ہوا۔ جو مالا بار سے ہوتا ہوا سراندیپ جائے گا۔ اُس میں کُچھ مسافر ایسے ہیں جنھیں مالا بار پہنچنے کی جلدی ہے۔ چودہویں کے چاند تک وہ یہاں پہنچ جائیں گے اور پھر اُن کی زبانی آپ کو اپنے سوال کا جواب مل جائے گا!"

"اچھّا، ہم انتظار کر لیتے ہیں۔" راجا نے کہا۔ "چودہویں کے چاند میں صرف دس دِن رہتے ہیں۔ دس دِن کا انتظار کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر ایک بات اور بھی ہے!"

"فرمائیے!" میں نے کہا۔

سومناتھ جی کے حُکم کے مطابق ہماری بڑی بیٹی سرس وتی کا بیاہ کام روپ کے راج کُمار چتر سین سے ہونا ہے اور چھوٹی راج کُماری چندراوتی کا بیاہ اُس عرب نوجوان ثوبان سے ہو گا جس نے ہماری سواری کے مست ہاتھی کو قابو میں کیا تھا۔ راج کُمار چتر سین کے لچھّن اچھّے نہیں۔ اور دیوتاؤں کے حُکم کے مطابق جب تک دیوتاؤں کا دیوتاؤں کا بھیجا ہوا ناگ سرس وتی کے سامنے نہیں آتا اور سرس وتی اُس کے سامنے ماتھا نہیں ٹیک دیتی، تب تک چتر سین کے بُرے لچھّن ٹھیک نہیں ہو سکتے، اور

جب تک چترسین کے لچھّن ٹھیک نہیں ہوتے تب تک سری وتی اُس سے شادی نہیں کر سکتی۔ تُم یہ بتاؤ کہ راج کُمار چترسین کے لچھّن ٹھیک کرنے والا ناگ کب آئے گا؟"

راجا زَمُورن کے اِس سوال کے ساتھ ہی بہت دُور سے میرے کان میں ایک ناگ کے پھنکارنے کی آواز آئی، اور میں نے اُس پھنکار کا مطلب سمجھ کر راجا سے کہا۔

"اطمینان رکھیے مہاراج! آپ کو اپنے سوال کا جواب بھی پورے چاند کی رات تک مل جائے گا۔"

راجا زَمُورن کو تو راج کمار چترسین کے بڑے لچھنوں کی فکر تھی مگر چترسین کسی اور ہی مٹّی کا بنا ہوا تھا۔ اُسے یہ احساس تک نہ تھا کہ وہ مالابار میں بیٹھ

کر اپنے ماں باپ کے نام کو بٹا لگا رہا ہے۔ اُس کی اوچھی حرکتوں کی وجہ
سے لوگ اُس کے باپ کام روپ کے راجا اگر سین کے متعلّق بھی طرح
طرح کی باتیں بناتے تھے، مگر اُس نے جیسے آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی
تھی۔

جب وہ جادُوگر کے غار سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا تو یہ اُسی وقت جان
گیا تھا کہ وہ جادُو کے زور سے بھی ثوبان کو اپنے راستے سے نہیں ہٹا سکتا۔
اُسے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ نہ صرف ثوبان اُس کے وار سے بچ نکلا
ہے، بلکہ اب اُسے انوشا جیسے جوگی کی پناہ مل گئی ہے۔
مگر وہ بھی ایک ہی ڈھیٹ تھا۔ اُس نے اب ایک ایسا خوف ناک قدم
اُٹھانے کا فیصلہ کیا جس کے متعلّق اِس سے پہلے، اُس نے سوچا بھی نہیں
تھا!

# چاند کیسے دو ٹکڑے ہوا؟

"ایک روز کی بات ہے، میں چند پڑھے لکھے لوگوں اور عالموں کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ یہ لوگ اور باتوں کے علاوہ خواب کی تعبیر کا علم بھی جانتے تھے۔ میں نے ان کو اپنا وہ خواب سُنایا جو ابھی ایک دِن پہلے ہی دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک رسّی ظاہر ہوئی۔ میں نے اِس رسّی کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے، مگر کوشش کے باوجود نہ پکڑ سکا۔ میرا یہ خواب سُن کر اُن لوگوں نے اُس کی تعبیر یہ بتائی کہ آسمان سے ظاہر ہونے

والی رسّی سے مُراد آخری زمانے کے وہ پاک نبی ہیں جو عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں اور تمہارا رسّی کو پکڑ نہ سکنے کا مطلب یہ ہے کہ تُم اُن کو نہیں پا سکو گے۔

میں نے یہ خواب اپنی اولاد کو سُنایا ہے اور اِس کی تعبیر بھی بتائی ہے۔ اب کہ میں اِس دُنیا سے رُخصت ہو رہا ہوں تو اپنی تمام اولاد کو جو میرے سامنے موجود ہے اور جو موجود نہیں ہے، یہ وصیّت کرتا ہوں کہ اگر وہ آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے نبی کو پائیں تو سچّے دِل سے اُس پر ایمان لائیں اور اُس کا دین قبول کریں کہ اُسی میں اُن کی بھلائی ہے۔"

ٹھیک پورے چاند کی رات کو عرب سے آئے ہوئے چند تاجر راجا زَمُورن کے محل میں موجود تھے اور اُسے شامل دیپ میں ظاہر ہونے والے خُدا کے اُس آخری نبی کے متعلّق بتا رہے تھے۔ اُن تاجروں کے سردار کی

حیثیت سے ثوبان کے چچا نے اپنے باپ کی یہ وصیّت راجا زَمُورن کو سُنائی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

"اے راجا! میرا اپنا وقت تو زیادہ تر عرب سے باہر سراندیپ اور دوسرے ملکوں میں تجارت کرنے میں گزرا ہے مگر میرے بڑے بھائی آخری وقت اپنے والد کی خدمت میں موجود رہے۔ والد کی یہ وصیّت اُنہی کے ذریعے مُجھ تک پہنچی ہے اور انہی کے حُکم پر اب میں اپنے بھیجتے ثوبان کو لینے آیا ہوں تاکہ ہم میں کوئی ایمان کی دولت سے محروم نہ رہ جائے۔

"اے راجا! ایک وقت تھا کہ ہم جاہلیت کے میں بھٹک رہے تھے، بُتوں کو پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے اور بُرے کام کرتے تھے۔ ہم میں جو طاقت ور تھے وہ کمزوروں کو ایسے نِگل جاتے تھے جیسے بڑی مچھلی چھوٹی

مچھلی کو ہڑپ کر جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم میں ہی ایک شخص کو ہمارے لیے نبی بنا کر بھیجا۔ اُن کا نام محمد صلی اللہ علیہ و سلم ہے۔ وہ عبد اللہ بن عبد المطلب کے بیٹے ہیں اور اُن کی ماں کا نام آمنہؓ ہے۔ وہ ایسے شخص ہیں جن کے خاندان کی ایمان داری اور شرافت کو لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ اُنھوں نے ہمیں ایک اللہ کی طرف دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، بُتوں کی پوجا کرنا چھوڑ دو، سچ بولو اور امانت میں خیانت نہ کرو، رشتے داروں کا حق ادا کرو اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھّا سلوک کرو۔ حرام چیزوں سے بچو، ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ، دھوکا اور فریب نہ کرو اور یتیموں کا مال نہ مارو۔ اُنھوں نے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے اور زکوٰۃ دینے کا بھی حُکم دیا ہے اور یہ ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو اُنھیں سچّا جانے اور کلمہ پڑھ کر اُن پر ایمان

لائے۔"

"کلمے کا کیا مطلب ہے؟" راجا زَمُورن نے پوچھا۔

"اے راجا! اُس کا مطلب یہ ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔"

"تمہاری باتیں سُن کر میرا دِل گواہی دیتا ہے کہ یہ ہی نبی ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں آیا ہے، مگر یہ تو بتاؤ، کیا اُنہوں نے چاند کو دو ٹکڑے کیا تھا؟"

"ہاں۔" ثوبان کے چچا نے جواب دیا۔ "اے راجا! جب خُدا کے پاک نبیؐ نے لوگوں کو خُدا کی طرف بُلانا شروع کیا تو وہ لوگ جو بُتوں کی پوجا کرتے تھے آپ کے دُشمن ہو گئے اور آپ کو ستانے اور دُکھ دینے لگے۔ مگر

اِس کے باوجود آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ پھر ایک رات قبیلہ قریش کے چند بڑے لوگ، جو بُتوں کو پُوجنے میں سب سے آگے آگے تھے، آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ سچّے ہیں توچاند کو دو ٹکڑے کر کے دِکھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کر دوں توکیا تُم ایمان لے آؤ گے؟ اُنھوں نے کہا کہ ہاں۔ اِس پر آپ نے اللہ سے دُعا کی اور جب چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ دونوں ٹکڑے اِتنے فاصلے پر تھے کہ حرا کا پہاڑ اُن کے درمیان دِکھائی دیتا تھا۔ لوگ آنکھیں مل مل کر دیکھتے تھے اور حیران ہوتے تھے۔ مگر اپنے وعدے کے مطابق ایمان لانے کے بجائے کہنے لگے کہ یہ تو جادُو ہے۔ اُن میں سے ایک بولا کہ اگر یہ جادُو ہے تو تُم پر ہو سکتا ہے، باقی دُنیا والوں پر تو نہیں ہو سکتا۔ جب دوسرے شہروں کے لوگ یہاں آئیں تو تُم اُن سے

دریافت کرنا کہ اُنھوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے؟

جب باہر سے مسافر آئے اور اُن سے دریافت کیا گیا تو اُنھوں نے بتایا کہ ہاں، ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔ چاند کے یہ ٹکڑے تھوڑی دیر تک الگ الگ رہے تھے اور پھر آپس میں مل گئے تھے۔ اِس معجزے کو دیکھ کر بہت سے لوگ بُتوں کی پُوجا چھوڑ کر ایمان لے آئے اور اُنھوں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچّے رسول ہیں۔ مگر جن لوگوں نے خود یہ معجزہ دِکھانے کے لیے کہا تھا، وہ اِسے جادُو ہی کہتے رہے اور بد نصیب کے بد نصیب رہے۔"

"میں اُن بد نصیبوں میں اپنا نام لکھوانا نہیں چاہتا۔" راجا زَمُورن نے کہا۔

"میں خُدا کے رسول کے سچّے ہونے کی گواہی دیتا۔۔۔۔"

"مہاراج! مہاراج!" اچانک خوف سے کانپتی ہوئی ایک آواز گونجی اور ایک

باندی، جِس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا، تھر تھر کانپتی ہوئی آئی :

"مہاراج! راج کُماری سرس وتی کو ناگ نے ڈس لیا ہے!"

راجا زَمُورن ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا اور راج کُماری سرس دتی کے محل کی طرف بڑھا۔ میں اُس کے ساتھ تھا۔

# راج کُماری سرس وتی

راج کُماری سرس وتی اپنی عادت کے مطابق رات کے وقت گیان دھیان میں لگی ہوئی تھی۔ اُس کے ہاتھ کھڑتالیں بجا رہے تھے اور ہونٹوں سے بھجنوں کے بول نکل رہے تھے۔ وہ نہ جانے کب تک اِس دُنیا میں کھوئی رہتی کہ ایک ناگ کی پھنکار نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے سیاہ رنگ کا ایک ناگ کُنڈلی مارے بیٹھا دِکھائی دیا۔ اُس نے اپنا پھن اُوپر اُٹھا رکھا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے راج کُماری کے بھجن سُن

کر وہ بھی جھُومتا رہا ہے۔

راج کُماری سرس وتی نے ناگ کو اپنے سامنے دیکھا تو اُسے فوراً پنڈتوں کا کہا یاد آگیا کہ پورے چاند کی ایک رات کو ایک ناگ راج کُماری سرس وتی کے سامنے آئے گا۔ راج کُماری کو چاہیے کہ اُسے دیکھتے ہی اس کے سامنے ماتھا ٹیک دے۔ چتر سین اُسی وقت اپنے بُرے لچھّن چھوڑ دے گا۔

وہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھی مگر ابھی سر نہ جھکا نے پائی تھی کہ ناگ مینڈک کی طرح اُچھلا اور اُس نے راج کُماری کے بازو پر ڈس لیا۔ راج کُماری چیخ مار کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ راج کُماری سے کُچھ فاصلے پر ایک باندی کھڑی تھی۔ اُس نے یہ ماجرا دیکھ لیا اور اُسی وقت جا کے راجا زَمُورن کو خبر کر دی۔ راجا راج کُماری کے محل میں آیا اور میں۔۔۔ انوشا۔۔۔ اُس کے

ساتھ تھا۔ اِس لیے نہیں کہ راجا نے مُجھے اپنے ساتھ آنے کا حُکم دیا تھا بلکہ اِس لیے کہ مُجھے سارنگ بابا کی طرف سے اُس کی خدمت کا حُکم ملا تھا۔ راج کُماری فرش پر پڑی بُری طرح تڑپ رہی تھی۔ محل کی باندیاں اُس کے گرد جمع تھیں اور اُن کے چہرے غم اور فکر کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

میں نے آگے بڑھ کر باندیوں کو ایک طرف ہٹایا اور راج کُماری کے بازو پر وہ جگہ دیکھی جہاں ناگ نے کاٹا تھا۔ پھر چاقو سے اُس جگہ ذرا سا چیرا دیا اور اُس کے اندر اپنے مُنہ کا لعاب لگا دیا۔

"گھبرائیے نہیں مہاراج! کُماری سری وتی ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔"

اور واقعی تھوڑی ہی دیر بعد راج کُماری سرس وتی ٹھیک ہو کر اُٹھ بیٹھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی ناگ نے اُسے کاٹا ہی نہیں تھا۔ راجا زَمُورن نے

آگے بڑھ کر میرے ہاتھ تھام لیے۔

"انوشا جی! تُم نے سرس وتی کی جان بچا کر ہماری جان بچا لی ہے اور۔۔۔۔۔۔"

"بات ابھی ختم نہیں ہوئی مہاراج۔" میں نے کہا۔

"میں اُس ناگ سے ذرا دو باتیں کرنا چاہتا ہوں جس نے کماری سرس وتی کو ڈسا تھا۔"

"وہ اب یہاں کہاں ہوگا۔ وہ تو کب کا سومنا تھ۔۔۔" پہنچ گیا ہوگا۔ شُکر ہے کہ آج دیوتاؤں کا کہا پورا ہوگیا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اُس ناگ نے سرس وتی بیٹی کو ڈسا کیوں؟"

"آپ کے سوال کا جواب ابھی مل جاتا ہے مہاراج۔" یہ کہہ کر میں نے بین

سنبھالی اور مہا تالی کی دُھن چھیڑ دی۔ مالا بار سمندر کے کنارے تھا اور سمندر کے کنارے رہنے والوں کے لیے ناگ اور سپیرے کوئی انوکھی شے نہ تھے۔ اِس سے پہلے نہ جانے کتنے سپیروں نے مختلف موقعوں پر راج محل میں بِین بجائی ہوگی مگر مہا تالی اُن کے لیے بھی ایک بالکل نئی چیز تھی۔ مہا تالی سُن کر راجا زَمُورن اور آس پاس کھڑی باندیاں ہی نہیں، خود راج کُماری سرس وتی بھی ایک مست ناگن کی طرح جھومنے لگی۔

مُجھے مہا تائی کی دُھن بجاتے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کسی ناگ کے پھنکارنے کی آواز آئی۔

"میں حاضر ہوگیا ہوں، انوشا جی!"

میں نے بِین ہونٹوں سے ہٹا کر دیکھا۔ میرے سامنے ایک کالا ناگ کُنڈلی

مارے بیٹھا تھا اور اُس کا بھجن اُوپر کو اُٹھا ہوا تھا۔ ناگ کو دیکھ کر وہی باندی جس نے راجا زَمُورن کو جا کر خبر کی تھی، ایک دم چیخ اُٹھی :

"یہ وہی ناگ ہے مہاراج!"

"اطمینان رکھیے۔ اب یہ کسی کو کُچھ نہیں کہے گا۔" میں نے کہا۔ "میں نے اِسے صرف اِس لیے بُلایا ہے کہ اِس کے ساتھ دو باتیں کر سکوں۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے ناگ کی طرف ایک قدم بڑھایا اور کہا۔ ہاں تو ناگ دیس کے راج کُمار! ذرا اِدھر آؤ۔"

ناگ سِرکتا ہوا میرے قدموں کے پاس آ گیا۔ میں نے جھُک کر اُسے اُٹھا لیا اور پھر اُس کے بدن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو ٹھیک بتانا۔ کماری سرس وتی کو ڈسنے والے تُم ہی تھے؟"

"ہاں مہاراج!" ناگ نے اپنے پھن کے اشارے سے جواب دیا۔

"تمھیں سومناتھ جی نے بھیجا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" ناگ نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"تو پھر کِس نے بھیجا تھا؟"

میرے اِس سوال کے جواب میں ناگ نے ہلکی سی شُوں کے ساتھ جواب دیا۔ راج کُمار چتر سین نے۔"

ناگ کا یہ جواب میں نے تو سُن لیا مگر ظاہر ہے کہ راجا زَمُورن، راج کُماری سرس وتی اور اُس کی باندیوں کو یہ جواب معلوم نہیں ہو سکتا تھا، اِس لیے میں نے راجا زَمُورن سے کہا۔

"اِس ناگ کو یہاں لانے والا راج کُمار چترسین تھا۔ وہ اِس ناگ کے ذریعے کماری سرس وتی کی جان لینا چاہتا تھا۔"

"لیکن کیوں؟" راجا زَمُورن نے حیرانی سے کہا۔ "سرس وتی بیٹی تو دیوتاؤں کے حُکم کے مطابق چترسین کی ہونے والی بیوی تھی۔ اُس نے سرس وتی کی جان لینے کی کوشش کیوں کی؟"

ابھی میں کُچھ کہہ نہ پایا تھا کہ خوف سے کانپتی ہوئی ایک آواز کمرے میں گونج گئی۔

"مہاراج! مہاراج!"

سب نے ایک دم پلٹ کر اُس طرف دیکھا۔ ایک باندی خوف سے تھر تھر کانپتی ہوئی راجا زَمُورن کے سامنے آگری اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی:

”مہاراج! راج کُماری چندراوتی جی کو چتر سین اور اُس کے ساتھی اُٹھا کر لے گئے ہیں۔“

اور مُجھے یوں لگا جیسے قُدرت نے راجا زَمُورن کے سوال کا جواب دے دیا ہے۔

# راج کُماری چندراوتی

راج کُمار چتر سین نے واقعی بڑا خوف ناک قدم اُٹھایا تھا۔ اُس نے ایک ہی تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اُس نے کسی نہ کسی طرح ایک زہریلا ناگ سرس وتی کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ ناگ کے زہر کے متعلّق اُسے اطمینان تھا کہ سرس وتی زیادہ دیر نہیں جی سکے گی۔ اور اِس طرح اُسے گیان دھیان اور پوجا پاٹ کرنے والی اُس سرس وتی سے چھٹکارا مل جائے گا جسے زندہ رہنے کی صورت میں دیوتاؤں کے حُکم کے مطابق اُس

کی بیوی بننا تھا۔ اِس کے ساتھ ہی اُس نے سرس وتی کے ڈسے جانے کی خبر سے پیدا ہونے والی افراتفری بھی پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی سوچی تھی اور جس وقت راج محل کے ہر چھوٹے بڑے کا دھیان سری وتی کی طرف تھا، وہ اور اُس کے ساتھی ہتھیار بند ہو کر آئے تھے اور راج کُماری چندرا وتی کو اُس کے محل سے زبردستی اُٹھا کر لے گئے تھے۔

ہم بھاگم بھاگ راج کُماری چندرا وتی کے محل میں پہنچے۔ سارا محل بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ پہرے دار نیوں اور باندیوں کے ہاتھ پاؤں بندھے پڑے تھے۔ ہر ایک کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ ایک باندی نہ جانے کسی طرح بچ بچا کر راجا زَمُورن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ راجا زَمُورن نے اپنا سر پیٹ لیا اور بولا۔ ”یہ کیا ہو گیا، کیا دیوتا مُجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟“

"گھبرائیے نہیں مہاراج!" میں نے کہا۔ "حوصلہ کیجیے۔ کماری چندراوتی ابھی مل جائے گی۔"

اور اِن الفاظ کے ساتھ میں نے اپنے آپ کو ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے محسوس کیا۔ میں نے اپنے چاروں طرف نظر ڈالی۔ نیچے وادی میں آٹھ نو گھڑ سوار جا رہے تھے۔ ایک سوار نے اپنے گھوڑے پر ایک لڑکی کو ڈال رکھا تھا۔ لڑکی کے ہاتھ پیر بندھے تھے اور اُس کے مُنہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔

میں نے وہیں سے ایک چھلانگ لگائی اور سامنے پہنچ کر اُن کا راستہ روک لیا۔ "ٹھہرو!" مُجھے اچانک یُوں اپنے سامنے دیکھ کر وہ لوگ سٹپٹا گئے اور گھوڑوں کی باگیں روک لیں۔ میں نے کڑک کر کہا۔ "کون ہو تم، اور اِس لڑکی کو کہاں سے اُٹھا کے لائے ہو؟"

"مہاراج! یہ تو میری بیوی ہے۔" ایک گھڑسوار نے کہا۔

"میں اِسے دیکھ سکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بھی خوب کہی۔ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔ گھوڑے کی ٹاپوں تلے آ گئے تو ہڈّی پسلی ایک ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا تو میں نے جلدی سے پھونک مار کر اُن کے چاروں طرف آگ کا حلقہ بنا دیا۔

"کام روپ کے راج کُمار!" میں نے کہا۔ "تُم جانتے ہو کہ تُم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے مالابار میں آ کر اپنے ماں باپ کا نام خوب روشن کیا ہے۔ کان کھول کر سُن لو! جب تک تُم اِس لڑکی کو اِس کے باپ کے حوالے نہیں کر دیتے، اُس وقت تک تُم اور تمہارے ساتھی آگ کے

اِس حلقے سے نہیں نکل سکتے۔" اپنے اِرد گرد آگ کا حلقہ دیکھ کہ چترسین اوراُس کے ساتھیوں کا سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ چترسین خوف بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ تم انوشا ہو؟"

"ہاں!" میں نے کہا۔ "میں انوشا ہوں۔ وہی انوشا جس نے ثوبان کو تمھارے جادُوگر کی تلوار کے وار سے بچایا تھا۔ تُم نے یہاں آکر ایک سے ایک بڑھ کر کمینی حرکت کی ہے۔ لیکن جو کُچھ تُم اب کر رہے ہو اِس سے خود کمینگی کو بھی تُم سے شرم آنے لگی ہوگی۔"

سرس وتی کو ڈسنے والا ناگ میرے بائیں ہاتھ میں تھا۔ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ناگ دیکھ رہے ہو، چترسین؟ یہ وہی ناگ ہے جس سے تُم نے سرس وتی کو ختم کرنا چاہا تھا۔ اب یہ ناگ میرے قابو میں ہے اور اِسی نے مُجھے تمہارے کرتوت کا پتا دیا ہے۔ اب تُم سیدھی طرح راج کُماری چندراوتی کو اُس کے محل میں چھوڑ آؤ ورنہ یہ ناگ تُم سب کو ایک ایک کر کے ختم کر ڈالے گا۔ اِس کا زہر کتنا تیز ہے یہ تم جانتے ہی ہو۔"

چترسین اور اُس کے ساتھیوں نے ناگ کی طرف دیکھا تو خوف سے اُن کی آنکھوں کی پُتلیاں پھیل گئیں۔ یہ وہی ناگ تھا جسے چترسین نے راج کُماری سرس دتی کے محل میں پہنچایا تھا۔

"تو کیا سرس وتی۔۔۔۔۔۔؟" چترسین کُچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"سرس وتی زندہ ہے۔" میں نے کہا۔ "اور اگر تُم اپنی زندگی چاہتے ہو تو

سرس وتی کی بہن کو واپس چھوڑ آؤ۔"

"ہم۔۔ ہم۔۔۔ ہم چندراوتی کو آپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔" چترسین نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھّا۔" میں نے کہا۔ "انوشا تمھاری بات مانے لیتا ہے۔ اِس لیے نہیں کہ اُسے تمھاری نیک نیّتی کا یقین آگیا ہے، صرف اِس لیے کہ قُدرت تمھیں سُدھرنے کے لیے کُچھ اور مہلت دینا چاہتی ہے۔ تُم راج کُماری چندراوتی کو آزاد کر دو۔ اِس کے بعد تُم بھی آزاد ہو۔"

چترسین نے راج کُماری چندراوتی کے منہ پر سے کپڑا اُتار کر اُس کے ہاتھ پاؤں کھول دیے اور پھر اُسے گھوڑے سے نیچے اُتار دیا۔ چندراوتی کے گھوڑے سے نیچے اُترتے ہی آگ کا حلقہ غائب ہو گیا۔ اِس کے ساتھ ہی

چترسین اور اُس کے ساتھی گھوڑے سرپٹ دوڑا کر یوں ہوا ہو گئے جیسے کوئی بہت بڑی فوج اُن کا پیچھا کر رہی ہو۔

چترسین اور اُس کے ساتھیوں کے جانے کے بعد راج کُماری چندراوتی نے حیرانی سے اپنے اِردگرد دیکھا اور پھر میری طرف بڑھی اور بولی۔ "مہاراج! آپ نے مُجھے بچا لیا۔ آپ نہ آتے تو میں کہیں کی نہ رہ گئی تھی۔"

"یہ سب قُدرت کے کھیل ہیں، راج کُماری جی۔" میں نے کہا۔ "قُدرت کی اَن دیکھی طاقتیں ہمارے ساتھ نہ جانے کیسے کیسے کھیل کھیلتی رہتی ہیں۔ آؤ اب چلیں۔ زَمُورن مہاراج تمہارے لیے بے چین ہو رہے ہوں گے۔"

میں راج کُماری چندراوتی کو لے کر واپس چل دیا۔ میری یہ واپسی اُسی طرح
تھی جیسے کبھی جنگلوں، ندی نالوں دلدلوں اور ٹیڑھے میڑھے پہاڑی
راستوں سے ہوتے ہوئے میں اُوشا کو لے کر راجا پورس کے محل میں پہنچا
تھا یا جیسے میں اور اُوشا ہیلن اور مایا کو لے کر شیش ناگ کے بیٹے چندر گُپت
اور سلیوکس کے پاس واپس آئے تھے۔ میں راج کُماری چندراوتی کو لے
کر محل میں پہنچا تو چندراوتی چیخ مار کر راجا زَمُورن کے قدموں سے لپٹ گئی
اور اُس کے ساتھ ہی میں یُوں چونک گیا جیسے ایک گہرے خواب سے جاگا
ہوں۔۔۔ مگر میں جانتا تھا کہ یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ میں بظاہر راجا زَمُورن
کے سامنے ہی موجود رہا تھا مگر حقیقت میں راج کُماری چندراوتی کو چتر سین
اور اُس کے ساتھیوں سے چھڑا کر لایا تھا۔ راج کُماری چندراوتی چھم چھم
آنسو بہاتی اپنی کہانی باپ کو سُنا رہی تھی۔

سرس وتی کے ساتھ جو کُچھ ہوا تھا، وہ راجا زَمُورن کو معلوم ہو چکا تھا اور اب چندراوتی کے ساتھ جو کُچھ پیش آیا تھا، وہ بھی اُس نے جان لیا تھا۔ چندراوتی اپنی آپ بیتی سُنا چُکی تو راجا زَمُورن خاصی دیر تک خاموش رہا اور جب اُس نے زبان کھولی تو اُس کے لہجے سے ایک نیا عزم جھلک رہا تھا۔ وہ کہنے لگا :

"میری بیٹیو! پہلے میں اپنے جی میں یہ فیصلہ کر چُکا تھا کہ تمہارے ہاتھ پیلے کر کے عرب دیس چلا جاؤں اور خُدا کے اُس پاک اور آخری نبیؐ کے درشن کروں جس کے ظاہر ہونے کی خبر ہماری پُرانی کتابوں میں دی گئی ہے۔ مگر اب مُجھے صاف دِکھائی دیتا ہے کہ یہاں میرے اور تمہارے لیے پریشانیوں اور دُکھوں کے سوا کُچھ نہیں ہے۔ کیا تُم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے اور خاص طور پر سرس وتی کے بیاہ کے بارے میں ہم گورکھ

دھندے میں پھنسے رہے ہیں، آج اِس کا کیا نتیجہ نکلا ہے؟ انوشا جی نہ ہوتے تو میں بالکل لُٹ گیا تھا۔۔۔۔ یہ نگری اندھیروں کی نگری ہے۔ اب ہم یہاں نہیں رہیں گے۔ اِس اندھیر نگری سے نکل کر اُجالوں کی نگری شامل دیپ جائیں گے۔"

اور راجا زَمُورن نے جتنی تیزی سے فیصلہ کیا تھا اُتنی تیزی سے اُس پر عمل بھی کیا۔ اگلے دِن کدنگا نور کے لوگوں نے سب سے پہلی خبر یہی سُنی کہ مالا بار کا راجا زَمُورن، راج پاٹ اپنے وزیر کے سپرد کر کے اپنی دونوں بیٹیوں سرس وتی اور چندراوتی کو لے کر ثوبان اور اُس کے چچا کے ہمراہ عرب دیس کی طرف روانہ ہو گیا!

# سمندری ڈاکوؤں کا حملہ

چترسین بھی سوڈھیٹوں کا ایک ڈھیٹ تھا۔ اتنی ذلّتیں اُٹھانے کے باوجود اُس نے ہار نہ مانی۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ راجا زَمُورن اپنی بیٹیوں سرس وتی اور چندراوتی کو ساتھ لے کر عرب کی طرف روانہ ہو گیا ہے تو اُس نے سمندری ڈاکوؤں کے ایک گروہ کو راجا کے جہاز پہ حملہ کرنے کے لیے اُبھارا۔ اُن لوگوں کا تو کام ہی یہی تھا کہ سمندر کے راستے آنے جانے والے مسافروں اور سوداگروں کے جہازوں پر حملہ کریں اور اُن کا مال

لوٹیں۔ انہیں بس اتنا بتانا ہی کافی تھا کہ اِس جہاز پر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے کئی صندوق لدے ہیں جو راجا زَمُورن عرب لے جا رہا ہے۔

سمندری ڈاکوؤں کے حملے عرب تاجروں کے لیے کوئی نئی بات نہ تھے۔ ہر تجارتی جہاز کو ان ڈاکوؤں سے مُقابلے کے لیے ہتھیار بند سپاہی ساتھ رکھنا پڑتے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا جہاز ہوتا ہو جسے سفر کے دوران میں سمندری ڈاکوؤں سے مُقابلہ کرنے کی نوبت نہ آتی ہو۔

ایسے مُقابلوں میں کبھی تو ڈاکو شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے اور کبھی وہ جہاز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ جب کبھی ڈاکو کسی جہاز پر قبضہ کر لیتے تو اُن کے آدمی جہاز سے برآمد ہونے والا سامان کسی ملک میں لے جا کر فروخت کر دیتے تھے اور مرد، عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ

ڈالتے تھے۔

سالہا سال سے یہ سِلسِلہ جاری تھا۔ ڈاکوؤں کا ایک گروہ ختم ہوتا تو اُس کی جگہ لینے والے کئی اور گروہ آ جاتے۔ مگر ڈاکوؤں کے خطرے نے سمندر کے راستے تجارت کرنے والے عرب اور دوسرے ملکوں کے سوداگروں کو تجارت کرنے سے باز نہیں رکھا تھا۔ اُن میں سے کئی لوگ تو ایسے تھے جنھیں تجارت سے زیادہ سمندری ڈاکوؤں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے میں مزا آتا تھا۔

ثوبان اور اُس کے چچا کا شمار ایسے ہی لوگوں میں تھا جو تجارت کے ساتھ ساتھ ہمّت اور شجاعت میں بھی اپنا لوہا منوانا جانتے تھے، مگر یہ بات اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اس سفر میں قدرت اُنھیں اتنے بڑے اور کڑے امتحان میں ڈالنے والی ہے۔

میں سارنگ بابا کے حُکم سے، دھارا نگر سے چل کے کدنگا نور آیا تھا تاکہ ایک نوکر کی طرح راجا زَمُورن کی خدمت کر سکوں۔ چنانچہ میں اِس سفر میں بھی راجا کے ساتھ تھا۔ میں نے جس طرح چتر سین کے دونوں وار ناکام کر کے سرس وتی اور چندرا وتی کو بچایا تھا، اُس کے بعد تو وہ مجھے اپنے سے الگ کرنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں ثوبان اور اُس کے چچا نے جہاز کے ملّاحوں اور ہتھیار بند محافظوں کا انتظام سنبھال رکھا تھا، وہاں میرا وقت راجا زَمُورن اور راج کُماریوں کے ساتھ باتیں کرتے گزرتا تھا۔ راج کُماریوں کے لیے سمندر کا یہ پہلا سفر تھا اور اِس سفر میں ثوبان اور اُس کے چچا اور ہتھیار بند محافظوں سے زیادہ میری موجودگی اُن کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔ صرف اِس لیے کہ میں نے کدنگا نور میں انہیں چتر سین کے ہاتھوں سے بچایا تھا۔

کہنے کو تو میں نے ثوبان کو بھی جادُوگر کی تلوار سے بچایا تھا اور ثوبان اِس کے لیے میرا احسان مند بھی تھا۔ مگر یہاں کھُلے سمندر میں بات کچھ اور تھی۔ یہاں وہ اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں محسوس کر رہا تھا جس کے خطرے اُس کے جانے پہچانے تھے۔ وہ سمندری ڈاکوؤں کے سارے داؤں پیچ جانتا تھا اور اُن کے خلاف لڑنے کا ڈھنگ بھی اُسے اچھّی طرح آتا تھا۔

ہمیں کھُلے سمندروں میں آئے شاید پندرہ دِن ہو گئے تھے کہ جہاز کے پہرے داروں نے مغرب اور جنوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چند جہازوں کے آنے کی خبر دی۔ ثوبان، اُس کا چچا اور ہتھیار بند محافظ جہاز کے تختے پر کھڑے ہو گئے اور اُن جہازوں کی طرف دیکھنے لگے۔ جہازوں کا رُخ ہمارے جہاز کی طرف تھا۔ ثوبان کے چچا نے کہا:

"یہ جہاز ہماری ہی طرف آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ مسافروں یا سوداگروں کے ہوں۔ مگر ہمیں مُقابلے کے لیے تیّار رہنا چاہیے۔"

ثوبان نے کہا۔ "اگر یہ جہاز سمندری ڈاکوؤں کے ہوئے تو یہ مشرق اور شمال کی طرف سے ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کریں گے۔ بچ کر بھاگنے کے بجائے اُن کا مُقابلہ کرنا ہمارے لیے زیادہ اچھّا رہے گا۔"

"ابھی تو وہ دور ہیں۔" ثوبان کے چچا نے کہا۔ "قریب آ جائیں تو پتا چلے گا کہ دوست ہیں یا دُشمن۔" اُنھوں نے جہاز کو وہیں ٹھہرا لیا اور آنے والے جہازوں کا اِنتظار کرنے لگے۔ کُچھ دیر بعد ثوبان کے چچا نے ایک جہاز پر لہراتے ہوئے سیاہ جھنڈے کو پہچان لیا۔ اِس جھنڈے پر انسانی کھوپڑی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ نشان سمندروں میں لوٹ مار کرنے والے ایک مشہور ڈاکو گنگو کے جہاز کا تھا۔ اُسے دیکھ کر ثوبان کے چچا نے پوری طاقت

سے چلّا کر کہا :

"یہ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز ہیں۔ مُقابلے کے لیے تیّار ہو جاؤ!" اور اِس کے ساتھ ہی ثوبان راجا زَمُورن کو خبر کرنے چلا گیا۔

"سمندری ڈاکوؤں کے جہاز ہماری طرف آ رہے ہیں۔ مگر آپ گھبرائیں نہیں۔ خُدا نے چاہا تو ہم اُن سے اچھّی طرح نمٹ لیں گے۔"

"میرے لیے کیا حُکم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں آپ کو کیا حُکم دے سکتا ہوں۔" ثوبان نے کہا۔ "صرف اِتنی درخواست کروں گا کہ آپ راج کُماریوں کا خیال رکھیں۔ اگر راج کُماریاں ساتھ نہ ہوتیں تو پھر شاید ہمارا لڑنے کا طریقہ کُچھ اور ہوتا مگر اب لڑنے کے ساتھ ساتھ ہمیں راج کُماریوں کا بھی دھیان رکھنا پڑے گا اور یہ کام

آپ بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں۔"

"یہ بھی کوئی کام ہے، ثوبان جی۔" میں نے کہا۔ "کوئی ایسا کام بتاؤ جو سچ مُچ کا کام ہو۔ کہو تو ڈاکوؤں کے جہازوں کو آگ لگا دی جائے اور کہو تو اُنہیں سمندر میں غرق کر دیا جائے۔"

"آپ یقیناً یہ سب کُچھ کر سکتے ہیں، انوشا جی۔ میں جانتا ہوں، آپ نے مُجھے جادُوگر کی تلوار سے بچایا تھا۔ مگر اُس وقت میں سو رہا تھا اور اِس وقت جاگ رہا ہوں۔ میرے چچا جاگ رہے ہیں۔ اِس جہاز کے محافظ اور ملّاح جاگ رہے ہیں۔ اِس لیے ابھی ہمیں ڈاکوؤں سے دو دو ہاتھ کرنے دیجئے۔ جب ہمارے ترکش خالی ہو جائیں، ہماری تلواریں ٹوٹ جائیں اور راج کُماریوں کی جان خطرے میں پڑ جائے تو پھر آپ کو اختیار ہے کہ جو مناسب سمجھیں کریں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے جہاز کے تختے پر پہنچ گیا۔ ڈاکوؤں کے جہاز کُچھ اور قریب آ گئے تھے۔ ثوبان نے جہاز پر سے ایک چھوٹی سی کشتی اُتاری اور جہاز کے ایک کونے میں پڑی ہوئی گھاس پھونس اُس پر لاد دی۔ اِس کے بعد اُس نے دو نوجوان ملّاحوں سے کہا کہ اس کشتی کو چلاتے ہوئے چکّر کاٹ کر ڈاکوؤں کے جہازوں کے پیچھے جائیں اور گھاس کو آگ لگا کر کشتی اُن جہازوں کی طرف دھکیل دیں۔ پھر خود تیر کر دُور نکل جائیں۔ دونوں ملّاح کشتی لے کر روانہ ہو گئے۔ آگ لگانے کے لیے جلتی ہوئی مشعلیں اُنھوں نے ساتھ لے لی تھیں۔

ثوبان جہاز کے ایک سِرے سے دوسرے سِرے ایک بھاگتا ہوا محافظوں اور ملّاحوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ ڈاکوؤں کے جہاز تین تھے۔ اُنھوں نے قریب آتے ہی راجا کے جہاز پر تیر برسانے شروع کر دیے

اور ایک تیر زَن سے ثوبان کے قریب سے گُزر گیا۔ اِس کے ساتھ ہی اُس کے کانوں میں ایک لڑکی کی آواز آئی :

"آپ کسی محفوظ جگہ چلے جائیےَ!" ثوبان نے پلٹ کر دیکھا۔

راج کُماری چندراوتی ہاتھ میں تیر کمان لیے کھڑی تھی۔

"تُم ؟"

"گھبرائیے نہیں۔ مُجھے تیر چلانا آتا ہے۔"

"مگر تُم یہاں کیسے ؟ انوشا جی نے تمہیں یہاں کیسے آنے دیا ؟"

"وہ تو آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ لگتا ہے، جیسے ڈاکوؤں کے جہازوں کو آگ لگانے گئےَ ہیں یا شاید۔۔۔۔۔۔"

اتنے میں ڈاکوؤں کے جہازوں کی طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ثوبان تاک تاک کر ڈاکوؤں کو نشانہ بنا رہا تھا۔ ڈاکوؤں کا ایک تیر ثوبان کے بازو کو چھُوتا ہوا نکل گیا۔ جواب میں چندراوتی نے ایک تیر چھوڑا اور ایک ڈاکو کو ڈھیر کر دیا۔

ڈاکوؤں نے اور قریب آ کر جلتے ہوئے تیر پھینکنے شروع کیے مگر اِس سے پہلے کہ یہ تیر اپنا اثر دکھاتے ڈاکوؤں کے تینوں جہازوں میں آگ لگ گئی۔

راج کماری چندراوتی نے میرے بارے میں بالکل ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔ جب ثوبان نے اُن ملّاحوں کو ڈاکوؤں کے جہازوں میں آگ لگانے کے لیے بھیجا تھا تو میں نے اُسی وقت جان لیا تھا کہ وہ ایک جہاز میں تو آگ لگا سکتے ہیں، تینوں جہازوں میں آگ لگانا اُن کے بس میں نہیں۔ اِسی لیے میں نے راجا زَمُورن اور راج کُماریوں کے پاس بیٹھے ہوئے آنکھیں بند کر لی

تھیں اور اُن دونوں ملّاحوں کے پاس پہنچ گیا تھا۔ پھر میں نے ڈاکوؤں کے تینوں جہازوں میں آگ لگا دی تھی اور اُن دونوں ملّاحوں کو حفاظت سے واپس بھی لے آیا تھا۔ یہ سارا کام میں نے اِس انداز سے کیا تھا کہ ملّاحوں کو یہ گُمان تک نہ ہوا تھا کہ اِس کام میں کوئی اور بھی ان کے ساتھ شامل ہے۔

جب ڈاکوؤں کے جہازوں میں آگ لگی تو وہ کمندوں کے ذریعے ہمارے جہاز پر کودنے کے لیے تیّار ہو رہے تھے۔ جہازوں میں آگ لگی تو وہ چیختے چلّاتے، سمندر میں چھلانگیں لگانے لگے۔ اب انہیں ہمارے جہاز کو لوٹنے سے زیادہ اپنی جانیں بچانے کی فکر تھی۔ مگر اِس حالت میں بھی اُن کا ایک جہاز ہمارے جہاز کے بالکل قریب آگیا۔ آگ سے بچنے کے لیے ثوبان نے لنگر اُٹھانے کا حُکم دیا، مگر اتنے میں آٹھ نو ڈاکو کمندیں ڈال کر ہمارے جہاز پر کودنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُنھوں نے آتے ہی نعرہ

مارا۔ ثوبان اُنہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ راج کُمار چترسین اور اُس کے ساتھی تھے!

ثوبان نے چندراوتی کو جلدی سے نیچے بھیج دیا اور پھر وہ اور جہاز کے محافظ چترسین اور اُس کے ساتھیوں سے اُلجھ گئے۔ تیروں کی لڑائی تلواروں کی لڑائی میں تبدیل ہو گئی۔ چترسین کے ساتھیوں کو جہاز کے محافظوں نے سنبھالا اور چترسین کے مُقابلے پر خود ثوبان آیا۔ چند لمحوں کی لڑائی کے بعد چترسین کے ہاتھ سے تلوار چھُوٹ گئی۔ ثوبان اُس پر بھرپور وار کرنے کے لیے ہاتھ بُلند کیا ہی چاہتا تھا کہ ایک ہاتھ نے اُس کا ہاتھ روک لیا۔۔۔ یہ ہاتھ میرا ہاتھ تھا۔ انوشا کا ہاتھ۔

"ٹھہرو!" میں نے زور سے کہا۔

ثوبان نے پلٹ کر دیکھا تو میں نے کہا۔ "اس کے لہُو سے اپنی تلوار کو ناپاک کرنے کی تکلیف نہ کرو۔ قُدرت نے اِس کے لیے ایک اور سزا تجویز کررکھی ہے۔ میرے یہ الفاظ سُن کرچتر سین کا رنگ اُڑ گیا۔ اُس کے ساتھی جنہیں جہاز کے محافظ نہتا کرنے کے بعد باندھ چکے تھے، بھی سہمی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے کہا:

"کام رُوپ کے راجا اگر سین کے بیٹے! تم بہت جلد بھول گئے ہو کہ میں نے تُم سے کیا کہا تھا۔ تُم نے مالا بار آکر ایک سے ایک کمینی حرکت کی تھی، یہاں تک کہ کمینگی کو بھی تُم سے شرم آنے لگی تھی۔ پھر تُم نے راج کُماری سرس وتی کو ناگ سے ڈسوایا اور راج کُماری چندراوتی کو اُس کے محل سے اُٹھا لے گئے۔ تُم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ کوئی بُری حرکت نہیں کرو گے۔ مگر تُم نے اِس وعدے کی لاج نہیں رکھی اور سمندری ڈاکوؤں کو

لے کر یہاں آپہنچے۔ قُدرت نے تمہیں سُدھرنے کے لیے جو مہلت دی تھی تُم نے اُسے گنوادیا ہے اوراب تمہاری تقدیر کا فیصلہ تمہارااپنا کیا دھرا بن کر تمہارے سامنے آنے والا ہے۔“

یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا بایاں ہاتھ بُلند کیا۔ اُس میں ناگ لہرا رہا تھا۔ میں نے چترسین سے کہا :

”یہ ناگ دیکھ رہے ہو؟ یہ وہی ناگ ہے.جس سے تُم نے راج کُماری سرس وتی کوڈسوایا تھا، اوراب یہی تمہیں ڈسے گا۔“

یہ کہتے ہوئے میں نے اُس ناگ کوچترسین کی طرف اُچھال دیا اور کہا۔ ”جاؤ، ناگ دیس کے راج کُمار! چترسین کے وہیں ڈسو جہاں اُس نے تُم سے راج کُماری سرس وتی کوڈھوایا تھا۔“

ناگ نے ایک پھنکار ماری اور پھر اپنے زہریلے دانت چتر سین کے بازو میں گاڑ دیے۔ چتر سین چیخ مار کر جہاز کے تختے پر ڈھیر ہو گیا اور چند ہی لمحوں میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر ناگ کو اُس کے بازو سے علیحدہ کیا اور پھر اُس کے بدن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"بس، اے ناگ دیس کے راج کُمار! تمھارا کام اتنا ہی تھا۔ میں نے اُسی دِن کے لیے تمھیں روک رکھا تھا۔ اب تُم آزاد ہو۔ جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو۔"

میں نے اُسے جہاز کے تختے پر چھوڑ دیا اور وہ پانیوں میں اُتر گیا۔ وہ رینگتا ہوا تختے سے نیچے اور پھر وہاں سے سمندر کے پانیوں میں اُتر گیا۔

"اور اِس کے بارے میں کیا حکم ہے انوشا جی؟" ثوبان نے چترسین کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تُم جانتے ہی ہو کہ سمندر کے سینے پر دم توڑنے والے سمندر کے پیٹ میں جاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ثوبان نے کہا۔ "سمندر کی مچھلیاں اُس کے ساتھ اپنا حساب کتاب خود کرلیں گی۔"

اُس نے دو ہٹّے کٹّے ملّاحوں کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھے۔ ایک نے اُسے سر کی طرف سے پکڑا اور دوسرے نے پاؤں کی طرف سے۔ اُسے اُٹھا کر وہ تختے کے کنارے پر لے گئے اور پھر زور سے اِدھر اُدھر جھُلایا۔

"ایک! دو! تین!"

اور تین کی آواز کے ساتھ ہی اُسے سمندر میں پھینک دیا گیا۔

"اور اِن کے بارے میں کیا حُکم ہے؟" ثوبان نے چترسین کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا، اور پھر خود ہی کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے اِن کے ہاتھ پاؤں کھول کر سمندر میں ڈال دیا جائے جس کے دِن باقی ہوں گے، خود ہی ہاتھ پاؤں مارتا خشکی پر پہنچ جائے گا۔"

"نہیں۔"

ثوبان نے ایک دم پلٹ کر دیکھا۔ راجا زَمُورن اپنی بیٹیوں کے ساتھ اُس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔

"نہیں۔" راجا زَمُورن نے دوبارہ کہا۔ "ہم اُنہیں معاف کرتے ہیں۔ اِن کا قصور اِس سے زیادہ نہیں کہ یہ چترسین کے ساتھی تھے۔ راستے میں کوئی

جہاز مالا بار کی طرف جاتا ہے تو اُنہیں اُس میں سوار کرا دیا جائے تاکہ یہ اپنے گھروں میں واپس جا سکیں۔"

آٹھ دن کے سفر کے بعد ایک جہاز مالا بار کی طرف جاتا ملا تو اُن قیدیوں کو اُس پر سوار کرا کے مالا بار بھجوا دیا گیا۔
اور اِس کے بعد ہمارا سفر بڑے آرام سے کٹا۔ پھر کسی سمندری ڈاکو نے ہمارے جہاز کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی۔

# سطیح کی پیش گوئی

ہمارا جہاز یمن کے ساحل سے جا کر لگا تو ہم بے حد خوش تھے۔ ثوبان اور اُس کا چچا تو خوش تھے ہی کہ وہ اپنے وطن خیریت سے واپس پہنچ گئے تھے مگر راجا زَمُورن بھی خوش تھا کہ وہ دیوتاؤں کے گورکھ دھندے سے نکل کر شامل دیپ آ پہنچا تھا۔ اندھیروں کی نگری سے اُجالوں کی نگری میں آ جانے پر اُس کے دِل میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔

مگر راجا زَمُورن کی یہ خوشی ایک عارضی خوشی تھی۔ اُس کی قسمت ایک

ایسے مسافر کی قسمت تھی جو منزل کے قریب آ کر تھک کر گِر پڑا ہو اور وہ منزل کو اپنے سامنے دیکھنے کے باوجود اُس تک پہنچنے کی حسرت لیے اِس دُنیا سے رُخصت ہو جائے۔

یمن کے ساحل پر جہاز سے اُتر کر ہم نے ایک بستی کا رُخ کیا۔ اُس بستی کا سردار ثوبان اور اُس کے چچا کا گہرا دوست تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ چند دِن وہاں آرام کریں گے اور پھر ثوبان کے قبیلے والوں کے پاس جائیں گے، مگر بستی میں پہنچنے کے دوسرے روز ہی راجا زَمُورن بیمار ہو گیا اور دو دن بیمار رہنے کے بعد تیسرے روز اُس نے اِس دُنیا سے مُنہ موڑ لیا۔ آخری وقت اُس نے ثوبان اور مُجھ سے کہا تھا:

"تمہارے ساتھ میرا سفر اب ختم ہو رہا ہے۔ میں اپنے دِل پر ایک بھاری بوجھ لے کر جا رہا ہوں۔ میں نے اِس دھرتی پر آنکھ کھولی تھی جہاں

ہمارے لیے دیوی دیوتا ہی سب کُچھ تھے۔ قُدرت نے مُجھے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دکھائے تھے اور اِس طرح شامل دیپ میں ظاہر ہونے والے اُس نبیؐ کی خبر دی تھی جس کا ذکر ہماری کتابوں میں آیا تھا۔ میرے دِل نے اُس نبیؐ کے سچّے ہونے کی گواہی اُسی وقت دے دی تھی، مگر میں چاہتا تھا کہ اُس سچّے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لاؤں اور اُس کے قدموں میں اپنا سر رکھ دوں۔ مگر افسوس کہ یہ بات میری قسمت میں نہ تھی۔ میں اِس دُنیا سے جا رہا ہوں۔ میں اُس سچّے نبیؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکا مگر تُم اُن کے حضور میں جاؤ تو اُنھیں میرا اسلام ضرور عرض کرنا اور میری طرف سے وہ تحفے بھی پہنچا دینا جو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ رہی سرس دتی اور چندراوتی تو میں اُن دونوں کو تُمھیں سونپتا ہوں۔ چندراوتی تو ثوبان کی امانت ہے، اور سرس وتی جیسے دیوتاؤں کے گورکھ دھندے

نے چتر سین جیسے لفنگے کی بیوی بنانے کا حُکم دیا تھا، اُس کا ہاتھ تم اپنے جیسے کسی بہادر اور شریف نوجوان کے ہاتھ میں دے دینا۔"

"اور میرے لیے کیا حُکم ہے؟" میں نے کہا۔

"تمہارے لیے میرا ایک ہی حُکم ہے انوشا جی! وہی حُکم جو ثوبان کے دادا نے اپنی اولاد کو دیا تھا۔ تُم مالابار جانا اور میرے لوگوں کو یہ پیغام دینا کہ وہ اِس سچّے نبیؐ پر ایمان لائیں کہ اِسی میں اُن کی بھلائی ہے اور دیکھو! تُم سب گواہ رہنا۔ میں اُس سچّے نبیؐ کے سچّے ہونے کی گواہی دیتے ہوئے اِس دُنیا سے رُخصت ہو رہا ہوں۔" اِن الفاظ کے ساتھ راجا زَمُورن کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔

راجا زَمُورن کی موت نے ہم سب کو اُداس کر دیا۔ چندراوتی نے رو رو کر بُرا

حال کر لیا تھا مگر گیان دھیان میں مگن رہنے والی سرس وتی کی زبان خاموش اور آنکھ خشک تھیں، جیسے اُس نے باپ کی موت کو قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں کی مرضی سمجھ کر خاموشی سے قبول کر لیا ہو۔

ہم نے راجا زَمُورن کو اُسی بستی میں دفنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُس کی لاش کو غسل دینے کے بعد جب اُس کا چہرہ آخری دیدار کے لیے کھولا گیا تو سرس وتی نے جھُک کر اپنے باپ کا ماتھا چوما اور پھر وہیں ڈھیر ہو گئی۔

ہم نے راجا زَمُورن کے ساتھ ساتھ سرس وتی کے کفن دفن کا بھی انتظام کیا اور پھر ثوبان کے قبیلے والوں کی طرف روانہ ہوئے۔ چند دِن ہم نے اُس قبیلے گزارے اور پھر کُچھ لوگوں کے ساتھ ایک قافلے کی شکل میں مدینے کی طرف چل دیے۔ وہ سچّے نبیؐ جو مکّے میں ظاہر ہوئے تھے، اب مکّے کو چھوڑ کر مدینے میں پہنچ چُکے تھے اور اُن پر ایمان لانے والوں کی تعداد

تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔

مدینے کی طرف جاتے ہوئے ہم قبیلہ غسّان کے علاقے سے گزرے تو اُس قبیلے کے کاہن کی ہوئی وہ باتیں ہمیں معلوم ہوئیں جِن کا تعلّق خُدا کے اُن سچّے اور آخری نبیؐ سے تھا۔ سطیح کے بدن میں کھوپڑی اور ہاتھ کی ہتھیلی کے سوا کوئی ہڈی اور پٹھے نہ تھے اور اُس کی زبان کے سوا بدن کا اور کوئی عضو حرکت نہیں کرتا تھا۔ وہ خود حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا اور زمین پڑا رہنے کی وجہ سے سطیح کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

سطیح کے لیے کھجور کی ٹہنیوں اور پتّوں کا ایک تخت بنا دیا گیا تھا جس میں پائنتی سے سرہانے تک ایسے چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جیسے کپڑے میں ہوتے ہیں۔ جب اُسے کسی جگہ لے جانا ہوتا تھا تو لوگ اُسی تخت پر بٹھا کر لے جاتے تھے۔ ایک بار لوگ اُسے شہر مکّہ لے گئے۔ مکّے میں قبیلہ

قریش کے چار آدمی اُسے دیکھنے کے لیے آئے اور کُچھ تحفے بھی لائے۔ اُن لوگوں نے اپنے تحفوں اور اپنے قبیلے کے نام کو سطیح سے پوشیدہ رکھا اور قریش کی بجائے کسی اور قبیلے سے اپنا تعلّق ظاہر کیا۔ سطیح نے کہا کہ تمہارا تعلّق اُس قبیلے سے ہے اور تُم میں سے ہر ایک میرے لیے فلاں فلاں تحفہ لے کر آیا ہے۔ اُن چاروں نے اپنے اپنے تحفے اُس کے سامنے پیش کیے اور اُس سے آئندہ زمانے کی باتیں پوچھنے لگے۔ اُس نے اُنھیں مُستقبل کی بہت سی باتیں بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ عبدالمُناف کی نسل سے ایک ایسا جوان پیدا ہوگا جو بُتوں کے بجائے ایک خُدا کی عبادت اور بندگی کرے گا۔

سطیح کی پیش گوئی کے مطابق مکّے میں وہ جوان پیدا ہو چُکا تھا جس نے لوگوں کو بُتوں کے بجائے خُدا کی عبادت کی طرف بلایا تھا۔

سطیح کی اِس پیش گوئی نے ہمارے دلوں کے شوق کو کُچھ اور بڑھا دیا۔ اب ہم جلد سے جلد مدینے پہنچنا اور خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔

# خُرافہ کے جِن

مدینے کو اپنے خیالوں میں بسائے ہم سفر کر رہے تھے کہ ایک روز خُرافہ نام کے ایک شخص سے ہماری ملاقات ہو گئ۔ اُس نے اپنے بارے میں جو باتیں بتائیں اُن پر کوئی مُشکل ہی سے یقین کر سکتا تھا۔ اُس کے اپنے بیان کے مطابق تین جِن اُس کے دوست بن گئے تھے اور اُسے مختلف جگھوں کی سیر کراتے تھے۔ اُس کی اور جِنوں کی اِس دوستی کا آغاز بڑے عجیب طریقے سے ہوا تھا۔

ایک رات خرافہ کسی کام کے لیے گھر سے نکلا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سامنے سے تین جِن آتے نظر آئے۔ جب وہ قریب آئے تو اُن میں سے ایک نے خُرافہ کو پکڑلیا۔ دوسرا کہنے لگا :

"تُم نے اِس آدمی کو کیوں پکڑلیا؟ نہ جانے بے چارہ کس ضروری کام سے باہر نکلا ہے۔ اِسے چھوڑدو۔"

اِس پہ پہلا جِن کہنے لگا۔ "واہ! کیوں چھوڑ دیں اسے۔ ہم تو اِسے پکا کر کھائیں گے۔ سُنا ہے، آدمی کا گوشت بڑا مزے دار ہوتا ہے۔"

جِن کی یہ بات سُن کر خُرافہ کا رنگ اُڑ گیا۔ اُس کا یہ حال دیکھ کر تیسرے جِن نے جو خاصا شریف معلوم ہوتا تھا، کہا۔ "نہیں بھائی، اِسے کھانے سے کیا فائدہ۔ معلوم نہیں اِس کا گوشت کیسا ہو۔ کیوں نہ اِسے اپنے ساتھ لے

چلیں۔ ہمارا کام کاج کرے گا۔"

ابھی تینوں جِن خُرافہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اتّفاق سے ایک آدمی اُدھر سے گزرا۔ جب وہ اُن کے نزدیک پہنچا تو ٹھہر گیا اور جِنوں سے کہنے لگا ہے۔ "کیا بات ہے؟ تُم میں کس بات پر تکرار ہو رہی ہے؟"

ایک جِن کہنے لگا۔ "ہم نے اِس آدمی کو پکڑا ہے۔ اور اب اِس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ اِسے چھوڑ دیں، پکا کر کھا جائیں یا غُلام بنا کر ساتھ لے جائیں؟"

اس پر وہ آدمی کہنے لگا۔ "اگر میں تمھیں اپنی عجیب و غریب آپ بیتی سناؤں تو کیا تُم اِس آدمی کے بارے میں فیصلہ کرنے میں مُجھے بھی شامل کر

لو گے ؟"

جِنوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر اُس شخص سے کہنے لگے۔ "تُم اپنی کہانی بیان کرو۔ اگر تمہاری کہانی واقعی عجیب ہوئی تو پھر ہم تمہیں بھی اپنے مشورے میں شامل کرلیں گے۔"

اِس پر اُس آدمی نے اپنی آپ بیتی بیان کرنی شروع کی :

"مُدّت ہوئی، میں ایک روز ایک جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ گرمی کے دِن تھے۔ سفر کرتے کرتے مُجھے سخت پیاس لگی۔ اتّفاق سے سامنے ہی ایک چھوٹا سا چشمہ نظر آیا۔ میں فوراً اونٹ سے اُترا اور پانی پینے کے لیے چشمے کی طرف بڑھا۔ پانی پینے کے لیے جھُکا ہی تھا کہ اچانک ایک زور دار آواز سُنائی دی :

خبردار!اِس چشمے کا پانی ہر گز نہ پینا!

میں گھبرا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور حیرانی سے چاروں طرف دیکھنے لگا کہ یہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ اگر کوئی شخص مُجھے نظر نہ آیا۔ میں نے اِس آواز کو اپنا وہم سمجھا اور دوبارہ پانی پینے کے لیے جھُکا ہی تھا کہ وہی آواز پھر سُنائی دی۔ لیکن اب کے میں نے اُس کی کوئی پروانہ کی اور پانی کے چند گھونٹ پی لیے۔ پانی کا حلق سے اُترنا تھا کہ میں مرد سے عورت بن گیا۔

اِس تبدیلی سے میں بُہت پریشان ہوا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ قسمت پر دِل ہی دِل میں افسوس کرتا ہوا ایک شہر میں پہنچا اور ایک آدمی سے شادی کر لی۔ کُچھ عرصے بعد ہمارے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے اور اِسی حال میں رہتے ہوئے مُجھے کئی برس گزر گئے۔

پھر ایک روز ایسا اتّفاق ہوا کہ میں سفر کرتے کرتے پھر اُسی راستے سے گزرا۔ اُن دِنوں بھی گرمی کا موسم تھا اور مُجھے سخت پیاس لگی تھی کہ وہی چشمہ نظر آیا۔ میں اونٹ سے اُتر کی چشمے کی طرف بڑھا اور پانی پینے کے لیے جھُکا ہی تھا کہ پہلے کی طرح ایک خوف ناک آواز آئی۔

خبردار! اس چشمے کا پانی ہر گز نہ پینا!

مگر میں نے اُس آواز کی کوئی پروا نہ کی اور چشمے کا پانی پی لیا۔ پانی کا حلق سے اُترنا تھا کہ میں عورت سے مرد بن گیا اور خوش خوش گھر چلا آیا۔ گھر پہنچ کر میں نے شادی کرلی، جس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اور اب میں دو لڑکوں کی ماں اور دو لڑکیوں کا باپ ہوں۔" تینوں جِن اُس آدمی کی کہانی سُن کر بڑے خوش ہوئے اور بولے۔ "واقعی یہ بڑی عجیب کہانی ہے۔ ہم اپنے وعدے کے مطابق تمہیں اپنے مشورے میں شامل کرلیتے ہیں۔"

مگر ابھی وہ چاروں مشورہ کر ہی رہے تھے کہ ایک بیل بھاگتا ہوا اُدھر سے گزرا۔ اُس کے پیچھے ایک بُوڑھا آدمی لٹھ لیے دوڑ رہا تھا۔ جب وہ اُن کے قریب آیا اور تین جِنوں اور دو آدمیوں کو اتنی رات گئے جنگل میں بیٹھے دیکھا تو جِنوں سے کہنے لگا:

"کیا بات ہے؟ تُم نے اِن آدمیوں کو کیوں اپنے پاس بٹھا رکھا ہے؟"

جِنوں نے ساری بات اُسے بتائی جسے سُن کر وہ کہنے لگا۔ "اگر میں بھی تمھیں اپنی عجیب و غریب کہانی سُناؤں تو کیا تم مُجھے بھی اپنے صلاح مشورے میں شامل کر لو گے؟"

جِنوں نے کہا۔ "اگر تمھاری کہانی عجیب ہوئی تو ضرور کر لیں گے۔"

اِس پر وہ آدمی کہنے لگا۔ "میرے ماں باپ بچپن میں مر گئے تھے۔

میرے چچا نے میری پرورش کی۔ جب میں ذرا بڑا ہوا تو میرا جسم خوب مضبوط اور طاقت ور تھا۔ ایک روز اتّفاق سے میرے چچا کا ایک بیل رسّا تڑا کر بھاگ نکلا۔ چچا نے مُجھ سے کہا کہ اگر تُم اِس بیل کو پکڑلاؤ تو میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ چچا کی یہ بات سُنتے ہی میں لٹھ لے کر بیل کے پیچھے بھاگا۔ اُس دِن سے میں اِس بیل کے پیچھے بھاگ رہا ہوں اور بھاگتے بھاگتے بُوڑھا ہو گیا ہوں۔ لیکن یہ بیل ہاتھ نہیں آتا۔"

جِنوں کو یہ کہانی پسند آئی اور اُنھوں نے اُس آدمی کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ اب تینوں جِن اور دو آدمی سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور خرافہ کے متعلّق مشورہ کرنے لگے۔ آخر میں یہی فیصلہ ہوا کہ خُرافہ کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ جِنوں نے خُرافہ کو چھوڑ دیا اور وہ جس کام سے گھر سے نکلا تھا، اُس کا خیال چھوڑ کر گھر واپس چلا گیا۔

اُن جِنوں نے نہ صرف خُرافہ کو چھوڑ دیا تھا بلکہ اُسے اپنا دوست بھی بنا لیا تھا اور اب اُسے جگہ جگہ کی سیر کراتے تھے اور طرح طرح کی چیزیں اُسے لا کر دیتے تھے۔

دوسروں کی نظروں میں خُرافہ کی باتیں بڑی عجیب اور حیران کر دینے والی تھیں، مگر میرے لیے اِن میں حیرانی کی کوئی بات نہ تھی۔ سارنگ بابا کے ساتھ رہ کر میں نے جو کُچھ دیکھا تھا اور جو کُچھ کیا تھا اور اُنہوں نے جو کُچھ مُجھے بنا دیا تھا، اِس کے مُقابلے میں خُرافہ کی یہ باتیں کُچھ بھی نہ تھیں۔ مگر اِن باتوں میں جِنوں کا ذکر میرے لیے نیا تھا۔ سپیرے اور جوگی میں نے دیکھے تھے، سنیاسی اور رِشی میرے لیے اجنبی نہیں تھے، مگر یہ جِن کون تھے؟ کیا یہ قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں میں سے کوئی طاقت تھی یا شیش ناگ، تکشک ناگ اور باسک ناگ کی طرح کوئی پُراسرار ہستیاں تھیں؟

میں نے خُرافہ سے کہا۔ "میاں خُرافہ، تمہاری باتیں واقعی بڑی دِل چسپ ہیں لیکن یہ تو بتاؤ، تُم اپنے اِن جِن دوستوں سے ہمیں بھی ملواسکتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔" خُرافہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن سوچتا ہوں کہیں تُم ڈر نہ جاؤ۔ وہ شکل بدل کر کُچھ سے کُچھ بن جاتے ہیں۔ جِن جو ہوئے۔"

شکل بدلنے کا سُن کر میرے ذہن میں یُوحا ناگ کی باتیں گونجنے لگیں۔ کانگ مار کی ناگن چندرا اور اُس کا بھائی میری نگاہوں کے سامنے گھوم گئے۔

"کوئی بات نہیں۔" خُرافہ نے میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اُن سے ملاقات کا بندوبست ہو جائے گا، اور اُنہیں شکلیں بدلتے دیکھ کر تمہیں ڈر بھی لگا تو میں سنبھال لوں گا۔"

# بُوڑھے جِن کا بیٹا

خُرافہ تین دِن ہمارا مہمان رہا اور تینوں دِن اُس نے ہمیں اپنی عجیب و غریب اور حیران کر دینے والی باتوں میں اُلجھائے رکھا۔ اُس کی باتوں سے یوں لگتا تھا جیسے اُس کے دوست جِنوں نے اُسے جگہ جگہ کی سیر کرانے اور اُس کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔

خُرافہ کے رُخصت ہونے کے تیسرے چوتھے روز کی بات ہے کہ ثوبان اور اُس کا چچا اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے ایک قریبی چشمے پر گئے تو وہاں

ایک ناگ نے ثوبان کو ڈس لیا۔ ثوبان لڑکھڑا کر گِرا لیکن گِرتے گِرتے بھی اُس نے اتنی ہمّت کی کہ ناگ کا سر اپنی ایڑی سے کُچل ڈالا۔ ثوبان کا چچا اُسے اُٹھا کر میرے پاس لے آیا اور سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ میں نے ثوبان کے جسم سے ناگ کا زہر نکال دیا اور اُس کا زخم ٹھیک کرنے کے بعد چشمے طرف چل دیا۔ جب سے ہمارا جہاز یمن کے ساحل سے لگا تھا، تب سے اب تک میں نے کوئی ناگ نہیں دیکھا تھا۔ جب کہ اِس سے پہلے یہ حالت رہی تھی کہ میرا ایک قدم انسانوں کی دُنیا میں تھا تو دوسرا ناگوں کی دُنیا میں۔ اِسی لیے میرے دِل میں اُس ناگ کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔

راج کُماری چندراوتی کو ثوبان کی دیکھ بھال کی تاکید کر کے میں اور ثوبان کا چچا چشمے کی طرف چلے۔ جب ہم چشمے پر پہنچے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں زندہ یا مُردہ کسی ناگ کا نشان تک نہیں۔ شاید ثوبان اُس کا سر

پورے طور پر نہیں کُھل سکا تھا اور وہ رینگتا ہوا وہاں سے کھسک جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اِس بات نے میرے اشتیاق کو اور بڑھا دیا۔ میں نے بِین سنبھالی اور اُس پر مہا تالی کی دُھن چھیڑ دی۔ مگر یہ دھن بجاتے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میرے کانوں میں چندراوتی کی گھبرائی ہوئی آواز آئی: "ثوبان کہیں غائب ہو گئے ہیں؟"

بِین ایک جھٹکے کے ساتھ میرے ہونٹوں سے الگ ہو گئی اور میں نے چندراوتی کی طرف دیکھا۔ اُس کا رنگ اُڑا ہوا تھا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ہم اُسے ثوبان کی خبر گیری کی تائید کر کے آئے تھے۔ ہمارے آنے کے بعد ثوبان نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ چندراوتی پانی لینے کے لیے اٹھی۔ ثوبان کے خیمے میں پانی کی جو صراحی تھی، وہ خالی تھی۔ وہ پانی لینے کے لیے اپنے خیمے میں چلی گئی اور جب پانی لے کر آئی تو

ثوبان اپنے خیمے میں موجود نہ تھا۔ اُس نے پانی کا پیالہ وہیں رکھ کر اِرد گرد دیکھا، پھر خیمے کے باہر دیکھا اور پھر دوسرے خیموں میں دیکھا مگر ثوبان کہیں بھی نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ خوف سے تھر تھر کانپتی ہمیں اطلاع دینے چلی آئی تھی۔

میں نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں چندراوتی، ثوبان کا ابھی پتا چل جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ قُدرت نے جس طرح مالابار میں اُس کی حفاظت کی تھی، اِسی طرح عرب دیس میں بھی کرے گی۔"

اور اِن الفاظ کے ساتھ ہی میں نے اپنے آپ کو ایک گھنے جنگل کے پاس پایا۔ شام ہو رہی تھی اور میرے سامنے جنگل کے پاس، کھُلی جگہ میں بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے۔ اِن خیموں کے درمیان ایک اونچی جگہ پر ایک بڑی سی مومی شمع جل رہی تھی۔ تمام خیمے اِس روشنی میں نہائے ہوئے

تھے۔ سب ہی خیمے بڑے قیمتی اور خوب صورت تھے مگر ایک خیمہ باقی خیموں سے بہت زیادہ خوب صورت اور بڑا تھا۔ یقیناً یہ خیمہ اِن لوگوں کے سر دار کا تھا۔ میرے قدم اِسی خیمے کی طرف اُٹھنے لگے۔

خیمے کے دروازے پر دو دربان کھڑے تھے۔ اُنہوں نے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھام رکھی تھیں اور اُن کی وردیاں سُرخ رنگ کی تھیں۔ مُجھے دیکھتے ہی وہ سر کے اشارے سے آداب کر کے ایک طرف ہٹ گئے اور پھر اُن میں سے ایک میرا بازو تھامتے ہوئے بولا۔

"آؤ! سر دار تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

میں حیران رہ گیا۔ کون سر دار اور کیسا انتظار! بہر حال وہ میرا بازو پکڑ کر خیمے کے اندر لے گیا۔ خیمہ بالکل دربار کی طرح سجا ہوا تھا۔ اُس کے اندر دو

رویہ کُرسیوں کی قطاریں لگی تھیں اور اِن کُرسیوں پر بہت سے لوگ بیٹھے تھے، جن میں سے اکثر کا لباس سُرخ تھا۔ دروازے کے عین سامنے، سِرے پر، ایک سنہری اور اُونچی تخت نما کُرسی تھی اور اُس کرسی پر ایک بھاری بھرکم شخص بیٹھا تھا۔ اُس شخص کا لباس تو سُرخ تھا ہی، اُس کی صورت اور آنکھوں سے بھی شُعلے سے نکلتے محسوس ہوتے تھے۔ یُوں لگتا تھا جیسے خیمے کے اندر لوگ نہیں بیٹھے، جگہ جگہ آگ کے سُرخ دہکتے ہوئے انگار رکھ دیے گئے ہیں۔

دربان میرا ہاتھ تھامے سیدھا اُس سنہری کُرسی کی طرف بڑھا اور پھر اُس شخص کو جھُک کر سلام کر کے پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے بھی اُسے جھُک کر سلام کیا اور پھر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

"تُم انوشا ہو؟"

”جی ہاں۔“

”تُم خُرافہ کے دوست ہو اور ہم خُرافہ کا دِل رکھنے کی خاطر تمہیں بُلانے کی سوچ رہے تھے۔ اچھا ہوا کہ قُدرت نے خود ہی یہ موقع پیدا کر دیا اور تم یہاں چلے آئے۔“

یہ کہتے ہوئے سردار نے مُجھے دائیں طرف ایک خالی کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سلام کر کے کُرسی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ شاید یہ وہی جِن میں جن کی عجیب و غریب باتیں خُرافہ نے سُنائی تھیں۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سردار کی بارُعب آواز گونجی :

”مقدمہ پیش کیا جائے؟“

اور اِس آواز کے ساتھ ہی ایک طرف سے دو شخص کسی آدمی کو لے کر

آئے اور سردار کے سامنے با ادب کھڑے ہو گئے۔ اُن میں سے ایک شخص بہت بُوڑھا تھا۔ اُس کی بھنویں تک سفید ہو چکی تھیں اور سفید ڈاڑھی سینے اور پیٹ پر پھیلی ہوئی تھی۔ اُس بوڑھے نے کہا:

"سردار! اِس آدمی نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے اور میرے بڑھاپے کا سہارا چھین لیا ہے۔"

میں حیرت سے چونک گیا، اِس لیے کہ جس آدمی کو وہ شخص پکڑے ہوئے تھے اور جسے یہ بُوڑھا اپنے بیٹے کا قاتل کہہ رہا تھا، وہ ثوبان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

"اِس کا ثبوت کیا ہے؟" سردار نے دریافت کیا۔

"ثبوت یہ ہے کہ اِس نے میرے بیٹے کے سر کو اپنی ایڑی سے کُچلا ہے

اور اِس کی ایڑی کا نشان میرے بیٹے کے کُچلے ہوئے سر پر موجود ہے۔ اِسی لیے ہم اِسے گرفتار کر کے لائے ہیں۔ اِسے سزا ملنی چاہیے۔"

"ضرور ملنی چاہیے۔" کُرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کئی ایک کی آوازیں آئیں۔ سردار نے چند لمحے کُچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"تُم کہتے ہو کہ اِس آدمی نے تمہارے بیٹے کو قتل کیا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ایک کمزور آدمی تمہارے طاقت ور بیٹے کو جان سے کیسے مار سکتا ہے؟"

"اس کا جواب میں دیتا ہوں، سردار۔" اُس شخص نے جس نے ثوبان کا بازو پکڑ رکھا تھا، کہا۔ "وہ اُس وقت ناگ کے بھیس میں تھا اور اِس آدمی نے اُس کا سر اپنی ایڑی سے کُچل کر اُسے ہلاک کر دیا۔"

"مقتول کی لاش پیش کی جائے۔" سردار نے حُکم دیا۔

چند لمحوں بعد سردار کے سامنے ایک بڑا سا تھال پیش کیا گیا جس میں ایک مُردہ ناگ پڑا تھا۔ وہی شخص کہنے لگا۔

"دیکھ لیجئے سردار! اِس کے کُچلے ہوئے سر پر اِس آدمی کی ایڑی کا نشان صاف نظر آتا ہے۔ اِسے ضرور اپنے کیئے کی سزا ملنی چاہیے۔" اب تک سردار نے ثوبان سے کُچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ خود اُس نے کوئی بات کی تھی۔ وہ یوں خاموش تھا جیسے اُس کے مُنہ میں زبان ہے ہی نہیں۔ اُس کا سر جھُکا ہوا تھا، آنکھیں اگرچہ بند تھیں مگر یوں لگتا تھا جیسے کھُلی ہونے کے باوجود اُسے کُچھ سُجھائی نہیں دے رہا ہے۔ شاید اُن لوگوں کی باتوں کی آواز بھی اُسے سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے اور اُسے کُچھ خبر نہیں کہ یہ سب کُچھ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ مگر میں سب کُچھ سمجھ گیا تھا۔ میں ایک دم کُرسی سے اُٹھا

اور سردار کے سامنے جا کر بولا :

"سردار! یہ جو کچُھ ہو رہا ہے ، انصاف نہیں ہے ۔"

"کیا بات ہے ؟" سردار نے کہا ۔ "ہم نے تو ابھی کوئی فیصلہ نہیں دیا ۔"

"یہ لوگ اپنے مطلب کی بات کر کے اپنے مطلب کا فیصلہ لینا چاہتے ہیں ۔ اُنھوں نے یہ نہیں بتایا کہ پہلے ناگ نے اِس آدمی کو ڈسا تھا اور اِس نے گِرتے گِرتے اِس ناگ کا سر اپنی ایڑی سے کچُلا تھا ۔ اِس کے بعد جو کچُھ ہوا ہے ، وہ میں بتاتا ہوں ۔ اگر یہ آدمی اِس ناگ کے ڈس لینے کے باوجود زندہ ہے تو صِرف اِس وجہ سے کہ میں نے ناگ کا زہر اِس کے بدن سے نکال دیا تھا ۔ اگر میں نے زہر کا اثر دُور نہ کیا ہوتا تو یہ کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا اور اگر آپ کا یہ ناگ مجُھے وہاں چشمے کے کنارے مل جاتا تو میں یقیناً اِسے

بھی مرنے سے بچا لیتا۔"

"کیسے بچا لیتے؟" ایک شخص نے کہا۔ "یہ تو اپنا سر کُچلے جانے کے ذرا دیر بعد ہی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ہم اِس کی لاش ہی وہاں سے لائے تھے۔ تُم ایسی ہی کرنی والے ہو تو اب زندہ کر کے دکھاؤ اِسے۔"

مُجھے یہ سُن کر غصّہ آ گیا۔ بولا۔ "کس خوشی میں؟ کیا اِس خوشی میں کہ تُم قاتل کو مقتول اور ظالم کو مظلوم بنا کر پیش کر رہے ہو؟ کیا اِس خوشی میں کہ تُم جھوٹ بول کر اور اپنی مرضی کا انصاف حاصل کر کے ایک بے گناہ آدمی کے خون سے ہاتھ رنگنا چاہتے ہو؟ اصل ظالم تو یہی ہے جیسے اپنے ظُلم کی سزا مل چُکی ہے۔ اِس کا کیا اِس کے آگے آ چکا ہے۔۔۔۔ میں قُدرت کے کاموں میں دخل کیوں دوں؟ یہ کوئی سکندر بادشاہ نہیں ہے کہ قدرت اِس کی خطا معاف کر دے۔" میری زبان سے سکندر بادشاہ کا نام سُن کر

بوڑھے نے میری طرف غور سے دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ "تُم نے سکندر بادشاہ کا نام لیا ہے۔ سکندر کی وہ کون سی خطا تھی جو قُدرت نے معاف کر دی تھی؟"

"تُم کیوں پوچھ رہے ہو؟" میں نے کہا۔

"اِس لیے پُوچھ رہا ہوں کہ میں نے سکندر کو دیکھا ہے اور تمہیں شاید یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ میں ایک سپاہی کے روپ میں اُس کے ساتھ رہا ہوں؟"

"تمہاری بات سُن کر مُجھے بالکل حیرانی نہیں ہوئی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے اپنی زندگی میں اِس سے کہیں زیادہ حیران کر دینے والی باتیں دیکھی ہیں۔ لیکن تُم سکندر کے ساتھ رہے ہو تو تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ سکندر نے پشکلاوتی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی مگر قُدرت نے اُس کی یہ خطا

معاف کرتے ہوئے پشکلاوتی کے شیش ناگ کی امانت کے ہیرے خود سکندر کے دامن میں ڈال دیے تھے۔"

بوڑھے نے پھر میری طرف غور سے دیکھا جیسے میری بات کُچھ سمجھا ہو اور کُچھ نہ سمجھا ہو۔ مگر اُس کی حیرانی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا:

"یُوں لگتا ہے جیسے تُم وہ نہیں ہو جو دِکھائی دیتے ہو اور پھر مُنہ ہی مُنہ میں نہ جانے کیا کُچھ بڑبڑاتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ سردار نے مُجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اِن لوگوں کا کہنا ہے کہ اِس آدمی نے اِس کا سر اپنی ایڑی سے کُچلا ہے اور اس کی ایڑی کا نشان اس کے کُچلے سر پر صاف دِکھائی دیتا۔ مگر تُم یہ

کہتے ہو کہ اِس ناگ نے ہی پہلے اِس آدمی کو ڈسا تھا۔ کیا تُم اِس کا ثبوت پیش کر سکتے ہو؟"

"ثبوت پیش کرنا کون سی مشکل بات ہے۔ اِس آدمی کی دائیں پِنڈلی دیکھیے۔ وہاں اِس ناگ کے کاٹے کا نشان صاف نظر آئے گا۔"

سردار کے حُکم پر ثوبان کی دائیں پِنڈلی کو دیکھا گیا۔ وہاں ناگ کے ڈسنے کا نشان موجود تھا۔ سردار نے کہا :

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ آدمی بے قصور ہے۔ ہم اِسے با عزّت طور پر رہا کرتے ہیں۔ تُم چاہو تو اِسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ ہمارے لوگوں نے جو جھُوٹ بولا ہے، اُنھیں اِس کی سزا ہمارے طریقے کے مطابق بعد میں ملے گی۔"

اتنا کہہ کر سردار نے اُن دونوں کو پرے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ثوبان کے بازو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے تو بُوڑھا ایک دم آگے بڑھ کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا:

"میں نہیں جانتا کہ قُدرت نے اِس بڑھاپے میں بیٹے کا غم دے کر مُجھے کِس گناہ کی سزا دی ہے۔ لیکن تُم، جو وہ نہیں ہو جو دِکھائی دیتے ہو، ایک بات یاد رکھنا! تُم وہی ہو جاؤ گے جو دِکھائی دیتے ہو!"

میں اُس بوڑھے کی یہ بات سُن کر حیران رہ گیا۔ ثوبان کا بازو تھام کر میں چاہتا ہی تھا کہ جواب میں کُچھ کہوں کہ وہ ماجرا پیش آیا جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ تمام خیمے ایک دم یوں غائب ہو گئے جیسے وہاں کُچھ تھا ہی نہیں، وہ بڑی سی مومی شمع بھی غائب تھی جس کی روشنی کُچھ دیر پہلے دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔

یُوں لگتا تھا جیسے یہ سب کُچھ ایک خواب تھا، مگر میں جانتا تھا کہ یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ میں نے ایک ایسی مخلوق کو دیکھا تھا جو نظر سے غائب ہو جانے اور ایک شکل سے دوسری شکل بدل لینے کی طاقت رکھتی ہے اور میں یہ بھی جان گیا تھا کہ یہ مخلوق یُوحا ناگ کی طرح آدمی سے ناگ اور ناگ سے آدمی کی شکل میں آ سکتی ہے مگر اُس کا یُوحا ناگ، شیش ناگ، تکشک ناگ، باسک ناگ بلکہ واسکی اور کسی اور قسم کے ناگ سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔

میں ثوبان کا بازو تھامے ہوئے وہاں سے چل دیا۔ ثوبان کی اب بھی کُچھ ایسی ہی حالت تھی جیسے اُسے اپنے اِرد گرد کی کوئی خبر نہیں ہے۔ میں نے ثوبان کو اُس کے چچا کے حوالے کیا اور اُسے زندہ سلامت دیکھ کر چند راوتی کی بھی جان میں جان آئی۔ مگر اُس رات میں اپنے خیمے میں پڑا دیر تک بے

چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ بُوڑھے جِن کا پُراسرار چہرہ میری نگاہوں میں پھر رہا تھا اور ذہن میں اُس کے کہے ہوئے الفاظ بار بار گونج رہے تھے۔

"تُم، جو وہ نہیں ہو جو دِکھائی دیتے ہو، ایک بات یاد رکھنا! تُم وہی ہو جاؤ گے جو دِکھائی دیتے ہو!"

# میری ماں

میں مجرموں کی طرح سر جھُکائے سارنگ بابا کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ سخت غصّے کی حالت میں تھے۔ میں نے انہیں اِتنے غصّے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُن کی آنکھیں جیسے انگارے برسا رہی تھیں اور ہونٹوں سے نکلتے ہوئے الفاظ کوڑوں کی طرح میرے بدن پر سے پڑ رہے تھے۔

"انوشا! یہ تُم نے کیا کیا؟ تمہاری اِس حرکت نے میری ساری محنت اور تمہاری ساری کمائی پر پانی پھیر دیا ہے۔ سارنگ بابا نے تو تمہیں نیکی اور

بھلائی کا سبق پڑھایا تھا۔ ہمارا کام تو راجا پرجا سب کی خدمت کرنا تھا۔ ہم تو اپنے دُشمن کی بھی خیر مانگنے والے تھے۔ ہم تو اپنا بُرا چاہنے والوں کا بھی بھلا کر کے ہی خوش ہوتے تھے۔ پھر تُم نے یہ کیا کِیا انوشا؟ بھلائی سے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟ بولو! جواب دو!"

میں سر جھُکائے خاموش کھڑا تھا۔ سارنگ بابا کو غصّے میں دیکھ کر میری زبان کو تالا لگ گیا تھا۔ سارنگ بابا کہنے لگے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ اِس ناگ نے ثوبان کو ڈسا تھا اور ثوبان نے گِرتے گِرتے اِسے اپنی ایڑی سے کُچل دیا تھا، مگر اُس نے تمہارا تو کُچھ نہیں بگاڑا تھا۔ جیسے تُم نے ثوبان کے بدن سے اُس ناگ کا زہر دور کیا، اُسی طرح تُم اُس ناگ کو بھی زندہ کر سکتے تھے۔ یہ تمہارے لیے ایک معمولی بات تھی۔ وہ لوگ ایک ایسے شخص کے دوست تھے جو تمہارا مہمان رہ چکا تھا۔ اُس ناگ

کو زندہ کر کے تُم اُن پر احسان کر سکتے تھے۔ تمہیں شروع ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ناگ ایک بُوڑھے کے بڑھاپے کا سہارا ہے۔ اِس کے باوجود تُم نے غصّے میں آ کر اِس نیکی سے ہاتھ روک لیا جس کا سبق میں نے تمہیں پڑھایا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا منزل کے قریب آ کر اِس طرح بھٹک جاؤ گے۔ تمہیں کاہے کے لیے بھیجا گیا تھا اور تُم کیا کر بیٹھے ہو!"

میں بے اختیار سارنگ بابا کے قدموں پر گِر پڑا اور اُن کے پیر تھامتے ہوئے اپنی صفائی میں کہنے لگا:

"باباجی! میں نے جان بُوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ میں تو ثوبان کے بدن سے زہر نکال دینے کے بعد سیدھا چشمے کی طرف گیا تھا۔ اگر وہ ناگ مُجھے وہاں مل جاتا میں اُسے بھی مرنے سے بچا لیتا۔ مگر اُس کے بھائی پہلے ہی اُسے اٹھا لے گئے تھے۔ یہی نہیں، اُنھوں نے ثوبان کو بھی اُس کے خیمے سے اُٹھا

لیا تھا۔ اگر میں ثوبان کی امداد کے لیے وہاں نہ پہنچتا تو یقیناً وہ اُسے جان سے مار ڈالتے۔"

میری اِس صفائی کے جواب میں سارنگ بابا نے کہا۔ "تم نے ثوبان کے لیے جو کُچھ کیا اچھّا کیا۔ تمھیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ مُجھے اِس کی کوئی شکایت نہیں ہے۔ گِلہ تو یہ ہے کہ تُم نے اُن لوگوں کی ذراسی بات سے طیش میں آ کر نیکی کا ایک شان دار موقع کھو دیا۔"

میں نے حوصلہ کر کے کہا۔ "یہ نیکی تو شاید اب بھی ہو سکتی ہے۔ ابھی تو پورا ایک دِن بھی نہیں ہوا اُس ناگ کو مرے ہوئے۔"

"نہیں!" سارنگ بابا نے گرج کر کہا۔ "جو ہونا تھا، وہ ہو چُکا۔ اُس ناگ کے بُوڑھے باپ کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے بول پتھرّ کی لکیر ہو گئے ہیں۔

اب نہ تُم کُچھ کر سکتے ہو اور نہ کوئی اور کُچھ کر سکتا ہے۔ رونا صرف اِس بات کا ہے کہ تُم نے اپنی اِس حرکت سے اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی ماری ہے۔ تمہارا یہ قصور تمہاری اپنی نظروں میں کتنا ہی معمولی سہی، مگر قُدرت کی نظروں میں بہت بڑا ہے، اور یہ اُس وقت تک معاف نہیں ہو گا جب تک تُم اپنی ماں کی خدمت اُسی طرح نہیں کرتے جس طرح تُم نے پَرورپُور میں اپنی خالہ کی خدمت کی تھی۔"

"اپنی ماں کی خدمت؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں!" سارنگ بابا بولے۔ "اپنی ماں کی خدمت۔ جب تک تُم اپنی ماں کی خدمت نہیں کرو گے، کہیں اور نہیں جاؤ گئے۔ وہاں بھی نہیں، جہاں کا ارادہ کر کے تُم چلے تھے۔ اب جاؤ ایک نئی زندگی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ جاؤ، تمہاری ماں تمہاری راہ دیکھ رہی ہے!"

اور یہ کہتے ہوئے سارنگ بابا نے مُجھے پرے دھکیل دیا۔ اُن کے پیروں کی ٹھوکر سے میں گیند کی طرح ہوا میں اُچھلا اور تیر کی طرح پہاڑوں، ندی نالوں اور دریاؤں کے اُوپر سے ہوتا ہوا دھم سے ایک صحرا میں جا گرا۔ اِس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھُل گئی۔ میں اُسی خیمے میں تھا جس کے اندر بُوڑھے جِن کے کہے ہوئے الفاظ پر غور کرتے کرتے سو گیا تھا۔ آنکھ کھُلتے ہی میں اُٹھ کر بیٹھ گیا مگر ابھی اپنے خواب کے متعلّق کُچھ سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک آواز میرے کانوں میں پڑی۔

"میرے بیٹے! دیکھ تو سہی، تُجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تیری ماں کا کیا حال ہو گیا ہے؟"

میں نے چونک کر نظریں اُٹھائیں۔ خیمے کے دروازے میں ایک عورت کھڑی تھی۔ دیوانوں کی طرح مٹّی میں اَٹے ہوئے بال، بدن پر چیتھڑے،

آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی اور منہ کھُلا ہوا۔ اُس نے اپنے دونوں بازو پھیلا رکھے تھے۔

بالکل اُسی حال میں کبھی میں نے بجرنگ نجومی کی کُٹیا کے دروازے پر اُوشا کی ماں مایا کو دیکھا تھا مگر یہ عورت مایا نہیں تھی۔ اِس کا چہرہ میری ماں کا چہرہ تھا، اُس ماں کا چہرہ جس نے پشکلاوتی میں میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا تھا اور جس کے مرنے کے بعد میں اُس کے حُکم سے پَرور پُور اپنی خالہ کے پاس پہنچا تھا۔ اور اُس کی آواز میری ماں کی آواز تھی، بالکل وہی آواز جس نے نہ جانے کہاں کہاں اور کتنی بار میری راہ نمائی کی تھی۔

اور اب وہی چہرہ پھر میرے سامنے تھا!

اب وہی آواز پھر میرے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

"میرے بیٹے! دیکھ تو سہی۔ تُجھے ڈھونڈتے ڈھوتے تیری ماں کا کیا حال ہوگیا ہے!"

میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اِس عورت کا چہرہ میری ماں کا چہرہ ہے۔ اِس کی آواز میری ماں کی آواز ہے۔ لیکن اِس کے باوجود یہ عورت میری ماں نہیں ہو سکتی۔۔۔ میری ماں تو مُجھ سے جُدا ہو کر دوسری دُنیا میں چلی گئی تھی۔ کیا یہ کوئی بھٹکتی ہوئی روح ہے جسے قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں نے میری ماں کا بدن، میری ماں کا چہرہ اور میری ماں کی آواز دے کر میرے سامنے لا کھڑا کیا ہے؟ یا سارنگ بابا کا کہا پورا کرنے کے لیے میری ماں وقت کے دھارے کا رُخ موڑ کر ایک بار پھر میرے سامنے آگئی ہے؟

"ارے، یوں ٹُکر ٹُکر کیا دیکھ رہا ہے؟ تو کیسا بیٹا ہے جو اپنی ماں کو بھی نہیں

پہچانتا۔ دیکھ تو، میں کیسے کیسے دُکھ اُٹھا کر تجھے ڈھونڈتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہوں۔ میرے دِل کے ٹکڑے! آ میرے سینے سے لگ جا۔

میں اب بھی حیرانی سے اِس عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ میری ماں نہیں تھی، لیکن بالکل میری ماں کی طرح تھی۔ میں اُس کا بیٹا نہیں تھا لیکن بالکل اُس کے بیٹے کی طرح تھا اور اِس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں بُوڑھے جِن کے کہے ہوئے الفاظ گونج گئے:

"تم جو وہ نہیں ہو جو دِکھائی دیتے ہو، ایک بات یاد رکھنا! تُم وہی ہو جاؤ گے جو دِکھائی دیتے ہو۔" اور ساتھ ہی سارنگ بابا کا وہ حُکم میرے کانوں میں گُونج گیا جو اُنہوں نے خواب میں دیا تھا:

"تمہارا یہ قصور اُس وقت تک معاف نہیں ہو گا جب تک تُم اپنی ماں کی

خدمت اُسی طرح نہیں کر لیتے جس طرح تُم نے پَرور پُور میں اپنی خالہ کی خدمت کی تھی۔"

"ارے! تُو تو کبھی ایسا نہیں تھا! یہ تُجھے کیا ہو گیا ہے جو اپنی ماں کو بھی بیگانوں کی طرح دیکھ رہا ہے؟۔۔۔ ذرا اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھ۔ کیا تُو میرا بیٹا نہیں ہے یا میں تیری ماں نہیں لگتی؟"

میرا ذہن اب بھی حیرانی کے گورکھ دھندے میں اُلجھا ہوا تھا۔ میری ماں کے چہرے اور اُسی کی آواز والی یہ عورت بار بار مُجھے اپنا بیٹا کہہ رہی تھی، مگر میں یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ میری وہ ماں جس نے پشکلاوتی میں میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا تھا، اتنی مدّت کے بعد دوسری دُنیا کی حدوں کو توڑ اس دُنیا میں دوبارہ کیسے آ سکتی ہے۔۔۔۔ میری نظریں دھوکا کھا رہی ہیں یا سچ مُچ قُدرت نے میرے لیے اپنا قانون بدل دیا ہے؟

خیال ذہن میں آتے ہی مُجھے پشکلاوتی کا وہ منظر یاد آ گیا جب میں اور اُوشا سلیوکس کی بیٹی ہیلن کی تلاش میں شیش ناگ کے مندر میں پہنچے تھے۔ ہم نے ہیلن کو شیش ناگ کی مورتی کے قدموں میں لیٹے پایا تھا اور میری ماں اور میرے ماموں اُس کی خدمت اور حفاظت کرتے رہے تھے۔ وہیں میری ماں نے مُجھے اور اُوشا کو وہ گھر دِکھایا تھا جس میں اُوشا نے جنم لیا تھا اور میں نے زندگی کے پہلے دس سال گزارے تھے، اور وہیں اُوشا کے باپ نے مُجھے اور اُوشا کو یہ کہتے ہوئے سینے سے لگا لیا تھا کہ آؤ میرے بچّو! میرے سینے سے لگ جاؤ۔ تمہاری خاطر قُدرت نے اپنا قانون تھوڑی دیر کے لیے بدل دیا ہے۔

میں نے سوچا کہ جس قُدرت نے پشکلاوتی میں اپنا قانون میرے اور اُوشا کے لیے بدل دیا تھا، ہو سکتا ہے اُس نے یہاں بھی میری خاطر اپنا قانون

بدل دیا ہو۔ عین مُمکن ہے کہ یہ سچ مُچ میری ہی ماں ہو جس نے پشکلاوتی میں میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا تھا۔

"آ میرے بیٹے! آ میرے سینے سے لگ جا!" اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ میں نے خیمے کے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی، اور گلے کی پُوری قوّت سے چیخا۔

"ماں!"

دوسرے ہی لمحے میں اُس کے سینے سے لگا ہوا تھا اور وہ بے اختیار میرا ماتھا چوم رہی تھی، سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی، بلائیں لے رہی تھی۔ اُس کے ہونٹوں کے لمس میں، اُس کی آنسوؤں بھری آنکھوں میں، اُس کے ہاتھوں کی سرسراہٹ میں، اُس کے بازوؤں کے حلقے میں اور اُس سے

ملنے کی حرارت میں میرے لیے وہی مامتا تھی جو مُجھے پشکلاوتی میں اپنی زندگی کے پہلے دس سالوں میں میسّر رہی تھی۔

قُدرت نے اپنا قانون بدلا تھا یا کوئی اور بات ہوئی نہ ہوئی تھی، بہرحال میری ماں میرے سامنے تھی اور اب مُجھے اُس کی اُسی طرح خدمت کرنی تھی جس طرح میں نے پَرورپُور میں اپنی خالہ کی خدمت کی تھی۔ بُوڑھے جِن کا کہا پورا ہو گیا تھا اور میں، جو وہ نہیں تھا جو دِکھائی دیتا تھا، اب پھر وہی بن گیا تھا جو دِکھائی دیتا تھا!

# غاروالے

پھر ثوبان، راج کُماری چندراوتی، ثوبان کا چچا اور دوسرے لوگ زَمُورن کی امانت اپنے ساتھ لیے مدینے کی طرف روانہ ہو گئے اور میں نے خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی آرزو اپنے دِل میں بسائے وہیں چشمے کے کنارے ڈیرا لگا لیا، اور یُوں میری وہ زندگی شروع ہوئی جس کے متعلّق میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

میں اِس سے پہلے پَرور پُور میں اپنی خالہ کی خدمت کرتے ہوئے تیس سال

گُزار چکا تھا۔ اِس سے پہلے ٹیکسلا سے پاٹلی پُتر تک، پُورب اور پچھّم کے ہر چھوٹے بڑے راجا نے میرے سامنے سر جھُکایا تھا، مگر پَرور پُور واپس آ کر مُجھے یوں لگا تھا جیسے ایک طویل عرصے تک تپتی دھوپ اور جلتی ریت پر سفر کرنے کے بعد میں ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں آ گیا ہوں۔ یہ چھاؤں میری خالہ کی چھاؤں تھی اور جو خوشی مُجھے اپنی خالہ کی خدمت کر کے ہوتی تھی، وہ اپنے سامنے کسی راجا کا سر جھکتے دیکھ کر بھی نہیں ہوئی تھی۔

اور اب ایک طویل عرصے کے بعد قُدرت کی اَن دیکھی طاقتوں نے میرے سامنے میری ماں کو لا کھڑا کیا تھا، اور میں اُس کی دِن رات خدمت کر رہا تھا۔

کبھی کبھی میں یہ سوچنے لگتا تھا کہ شاید میری یہ زندگی شنکر چنڈال کی مایا نگر والی زندگی کی طرح ہے۔ جِس طرح شنکر نے دریا میں غوطہ لگانے کے بعد اپنے

آپ کو ایک دوسری دُنیا میں پایا تھا اور ایک پوری زندگی گزارنے کے بعد پھر اپنے آپ کو دریا میں پایا تھا، اِسی طرح میں بھی سوچتا تھا کہ شاید کسی وقت میری یہ زندگی ایک خواب کی طرح ختم ہو جائے گی اور آنکھ کھُلنے پر میں اپنے آپ کو مدینے کے آس پاس یا اُس کے راستے میں پاؤں گا۔

کبھی کبھی مُجھے یہ خیال آتا کہ شاید میری ماں کے ساتھ اِسی قسم کا واقعہ پیش آیا ہے جیسا اصحابِ کہف یعنی غار والے لوگوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ غار والوں کی یہ عجیب و غریب کہانی میں نے اِسی دیس میں آ کر سُنی تھی۔

یہ عجیب و غریب واقعہ فلسطین کے ایک شہر بطرا میں پیش آیا تھا۔ کئی ہزار سال پہلے اُس وقت جب وہاں دقیانوس بادشاہ کی حکومت تھی۔ یہ بڑا ظالم اور سخت بادشاہ تھا، خُدا کے بجائے بُتوں کی پُوجا کرتا تھا اور اپنی رعایا سے بھی زبردستی بُتوں کی پوجا کراتا تھا۔ اُس زمانے میں یہ شہر اپنے اُونچے

اُونچے مندروں اور شان دار تماشا گاہوں کی وجہ سے دُنیا بھر میں مشہور تھا اور سینکڑوں ہزاروں لوگ دُور دُور سے یہاں کھیل تماشے اور میلے دیکھنے آتے تھے۔

ایک دفعہ ایسے ہی ایک میلے میں شہر کے چھوٹے بڑے سبھی لوگ موجود تھے۔ رسم کے مطابق میلے میں، بادشاہ کے حُکم کے مطابق، بُتوں کی پُوجا کی جا رہی تھی تو کُچھ نوجوان ایسے بھی تھے جو اُس پُوجا سے الگ رہے، اُن کے دِلوں میں یہ بات آئی تھی کہ بُتوں کی پُوجا کرنا بالکل غَلط بات ہے۔ بُتوں کے بجائے انسان کو اُس خُدا کی عبادت کرنی چاہیے جو زمین اور آسمان کا مالک اور پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ جس وقت اُن کی قوم کے دوسرے لوگ بُتوں کی پُوجا میں لگے ہوئے تھے، یہ نوجوان ایک ایک کر کے میلے سے سِر کنے لگے۔ ایک نوجوان ایک درخت تلے جا کر بیٹھ گیا،

پھر دوسرا آگیا، پھر تیسرا بھی آگیا اور ہوتے ہوتے اُس کے سارے ساتھی وہاں جمع ہو گئے۔ مگر وہ سب خاموش تھے اور کسی کو دوسروں کے دِل کی بات معلوم نہ تھی۔ آخرایک نوجوان نے حوصلہ کر کے کہا۔

"دوستو! کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے کہ تُم بُتوں کی پُوجا چھوڑ کر یہاں آ گئے ہو۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے دِل کی بات کہہ دے اور بتائے کہ وہ اپنی قوم کو چھوڑ کر یہاں کیوں آیا ہے؟"

اِس پر باری باری ہر نوجوان نے اپنے دِل کی بات کہی کہ ہم سب کا مالک اور پیدا کرنے والا تو خُدا ہے، پھر ہم خُدا کو چھوڑ کر پتھّر کے بے جان بُتوں کے سامنے سر کیوں جھُکاتے ہیں۔ اُن سب کا یہی کہنا تھا کہ ہماری قوم گُم راہ ہے اور اِس گُم راہی میں ہم اُس کا ساتھ نہیں دیں گے۔

جب اِن نوجوانوں کو ایک دوسرے کے دِل کی یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اُنھوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے ایک جگہ مقرّر کرلی اور وہاں جمع ہو کر خُدا کی عبادت کرنے لگے۔ مگر جلد ہی لوگوں کو اِس بات کا پتا چل گیا۔ وہ اُن کو پکڑ کر دقیانوس بادشاہ کے پاس لے گئے اور شکایت کی کہ یہ نوجوان اپنے باپ دادا کے مذہب سے باغی ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے اُن سے پُوچھا تو اُنھوں نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ ہم خُدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کر سکتے۔ بادشاہ نے اُنھیں دھمکی دی کہ تُم باز نہ آئے تو تمھیں سخت سزا دی جائے گی۔

وہ نوجوان موقع پا کر بھاگ نکلے اور ایک غار میں جا کر چھُپ گئے۔ اُن میں سے ایک نے ایک شکاری کُتّا پال رکھا تھا، وہ بھی اُن کے ساتھ ہی غار میں چلا گیا۔ اِس علاقے کے پہاڑوں میں ایسے بہت سے غار تھے۔ جس غار

میں اُنھوں نے پناہ لی تھی، وہ اگرچہ اندر سے کافی کھُلا تھا مگر کچُھ اِس طرح بنا ہوا تھا کہ اُس میں روشنی اور ہوا کا گُزر تو تھا مگر سورج کی کرنیں اُس کے اندر داخل نہیں ہو سکتی تھیں۔

نوجوان غار میں پہنچ کر سو گئے اور پھر کئی سو سال تک سوئے رہے، مگر جب جاگے تو بالکل ویسے کے ویسے ہی تھے جیسے سونے سے پہلے تھے۔ اُن کے جسموں میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ صرف ایک دِن بلکہ اِس سے بھی کچُھ کم سوتے رہے ہیں۔ اُس وقت اُنھیں بھوک لگ رہی تھی۔ اُنھوں نے ایک نوجوان کو کچُھ رقم دے کر شہر کی طرف بھیجا کہ بازار سے کھانا لے آئے، اور ہوشیاری سے کام لے۔ دقیانوس بادشاہ کے آدمیوں کو اُن کے چھُپنے کی جگہ کا پتا چل گیا تو وہ اُن سب کو پکڑ کر لے جائیں گے۔

نوجوان کھانا لینے کے اِرادے سے غار سے نکلا تو دیکھا کہ باہر کا سارا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ کئی سو سال گزر گئے تھے۔ بستیاں، گلیاں، محلّے اور بازار سب کُچھ بدل گیا تھا۔ شہر کی کوئی چیز اپنے پہلے حال میں نہ تھی اور نہ کوئی جان پہچان والا چہرہ ہی دِکھائی پڑتا تھا۔ نوجوان حیران ہو رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا میں پاگل ہو گیا ہوں؟

وہ انھی خیالات میں اُلجھا ہوا کھانے کی ایک دُکان پر پہنچا اور دُکان دار کو ایک سِکّہ دیتے ہوئے کھانا طلب کیا۔ دُکان دار سِکّہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اُس نے وہ سِکّہ اپنے ساتھی دُکان دار کو دکھایا تو اُسے بھی حیرت ہوئی۔ اُس نے وہ سِکّہ ایک اور دُکان دار کو دیکھنے کے لیے دے دیا۔

ذرا دیر نہ گُزری تھی کہ لوگوں کی ایک بھیڑ نوجوان کے گرد جمع ہو گئی۔ سب کا یہی کہنا تھا کہ پُرانے وقتوں کا کوئی خزانہ اِس نوجوان کے ہاتھ لگ گیا

ہے۔ لوگ اُس سے سوالات پوچھنے لگے۔ اُس نے اُنھیں بتایا کہ میں اِسی شہر کا رہنے والا ہوں اور کل شام ہی یہاں سے گیا تھا۔ اُس نے لوگوں کے اطمینان کی خاطر یہ بھی کہہ دیا کہ اِس شہر کے بادشاہ کا نام دقیانوس ہے۔ مگر اُس کی باتیں سُن کر لوگ ہنسنے لگے۔ اُنھوں نے کہا کہ دقیانوس بادشاہ کو مرے ہوئے تو کئی سو سال ہو گئے ہیں۔ یہ نوجوان کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے جو اِس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ آخر وہ اُسے پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے، جس کا نام تندوسیوس تھا۔ اُس نے نوجوان سے ماجرا پُوچھا تو اُس نے شروع سے آخر تک تمام حال کہہ سُنایا۔

بادشاہ تندوسیوس سخت حیران ہوا۔ وہ نوجوان کے ساتھ غار تک گیا اور غار والوں سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اُس کے جانے کے بعد وہ نوجوان اپنے غار میں چلے گئے اور پھر سو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دُنیا کے ختم ہونے

تک اِسی طرح سوتے رہیں گے۔ اب اگرچہ وہ سو رہے ہیں مگر کوئی باہر سے دیکھے تو اُسے یہی محسوس ہو گا جیسے وہ جاگ رہے ہیں کیونکہ اُن کی آنکھیں کھُلی ہیں۔ اُن کا کُتّا بھی غار کے دروازے پر بیٹھا ہے اور اس پر بھی نیند طاری ہے۔

غار والا نوجوان تو کئی سو سال سونے کے بعد کھانا لینے کے لیے شہر میں آیا تھا مگر میری ماں ایک طویل مدّت تک موت کی وادی میں رہنے کے بعد اِس لیے میرے سامنے آئی تھی کہ میں قُدرت کی طرف سے دی گئی سزا کے مطابق اُس کی خدمت کر سکوں۔ اِس سزا سے میرا دھیان ہارُوت اور مارُوت کی سزا کی طرف جاتا تھا۔ ہارُوت اور مارُوت کی سزا کی یہ کہانی بھی بڑی عجیب و غریب ہے اور یہ کہانی بھی میں نے اِسی دیس میں آ کر سُنی تھی۔

# ہارُوت و مارُوت

کہتے ہیں کہ ہارُوت اور مارُوت دو فرشتے تھے، جنہیں آزمائش کے لیے آسمان سے اِس دُنیا میں بھیجا گیا تھا۔ وہ شہر بابل میں نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور وہاں کے لوگوں کو جادُو سکھاتے تھے۔ اُن کے پاس جو آدمی بھی جادُو سیکھنے کے لیے آتا وہ اُسے منع کرتے اور کہتے تھے کہ جادُو سیکھنے میں تمہارا فائدہ نہیں، نقصان ہے۔ سارا نفع نقصان سمجھا دینے کے بعد بھی جب کوئی شخص اُن سے جادُو سیکھنے کی ضِد کرتا تھا تو وہ اُسے سِکھا

دیتے تھے اور ساتھ ہی بتا دیتے کہ ہم پر کوئی الزام نہیں۔ تُم اپنے بُرے بھلے کے خُود ذمّے دار ہو۔

اُس وقت بابل کے لوگوں میں جادو ٹونے کا اتنا رواج تھا کہ وہ خُدا کو بھول کر جادُوگروں کے پیچھے لگ گئے تھے۔ ہارُوت اور مارُوت نے بابل آ کر لوگوں کو جادُو سکھانا شروع کیا اور لوگوں نے دیکھا کہ اُن کے منتر دوسروں کے منتروں سے کہیں زیادہ اثر اور طاقت رکھتے ہیں، تو وہ دھڑا دھڑ اُن کے پاس آنے لگے اور اِس طرح اُن کی شہرت دور دور پھیل گئی۔

ایک روز ایک عورت اُن کے پاس آئی۔ وہ فارس (ایران) کی رہنے والی تھی اور بیدُخت اُس کا نام تھا۔ مگر لوگ اُسے زہرا کہتے تھے۔

ہارُوت اور مارُوت اگرچہ بابل میں انسانوں کی طرح رہتے تھے مگر جب

چاہتے، اسمِ اعظم پڑھ کے آسمانوں پر جا سکتے تھے۔ مگر وہ عورت بُتوں کی پُوجا کرتی تھی۔

ہارُوت اور مارُوت نے پہلے تو اُسے جادُو سِکھانے سے اِنکار کیا مگر پھر راضی ہو گئے۔ اِس سے پہلے وہ اُس عورت کو یہ راز بتا بیٹھے تھے کہ وہ اسمِ اعظم جانتے ہیں اور اُس کے ذریعے جب چاہیں آسمانوں پر پہنچ سکتے ہیں۔ عورت نے اُنہیں بہلا پھُسلا کر اسمِ اعظم بھی سیکھ لیا۔

اسمِ اعظم معلوم ہونے کی دیر تھی کہ وہ اُسے پڑھ کر آسمان پر پہنچ گئی اور اب کہتے ہیں کہ اُس کی روح زہرہ سیّارے میں ہے۔ ہارُوت اور مارُوت کے سینوں سے اسمِ اعظم نِکل چُکا تھا اور اب وہ آسمانوں پر واپس نہیں جا سکتے تھے۔ اُن سے جو بھاری گناہ ہوا تھا، اُس کی سزا اُنہیں یہ ملی کہ اُن کو بابُل کے ایک کنویں میں اُلٹا لٹکا دیا گیا، جہاں وہ دُنیا کے ختم ہونے تک

اُسی طرح لٹکے رہیں گے۔

مگر وہ لوگ جنہیں جادُو سیکھنے کا لپکا تھا، وہ اُن کی اِس حالت سے کوئی سبق نہ سیکھتے تھے۔ وہ اب بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور جادُو سیکھنے کے لیے اُن کے پاس آتے رہتے تھے۔

جس طرح اسمِ اعظم ہارُوت اور مارُوت کے سینے سے نکل گیا تھا، اُسی طرح اب وقت کی باگیں میرے ہاتھ سے نکل گئیں تھیں۔ اب میں وہ انوشا نہیں تھا جو کھڑے کھڑے پورب، پچھّم، اُترا اور دکھّن کی خبر لا سکتا تھا، اور نہ وہ انوشا تھا جو پل کی پل میں جہاں چاہتا پہنچ سکتا تھا۔ اب میں وہ انوشا بھی نہیں تھا جس پر شیش ناگ کا سایہ تھا اور جس کا حُکم آگ، پانی ہوا اور مٹّی چاروں مانتے تھے۔ ہارُوت اور مارُوت کے اسمِ اعظم کی طرح یہ سب کُچھ میرے سینے سے نکل گیا تھا اور اب میں پھر وہی سیدھا سادہ اور بے سہارا

انوشا بن گیا تھا جو کبھی اپنی ماں کے مرنے کے بعد پشکلاوتی سے پَرور پُور کی طرف روانہ ہوا تھا اور یوں وہ بات پوری ہو گئی تھی جو اُس شام بُوڑھے جِن کے مُنہ سے نکلی تھی۔

"تُم، جو وہ نہیں ہو جو دِکھائی دیتے ہو، ایک بات یاد رکھنا! تُم وہی ہو جاؤ گے جو دِکھائی دیتے ہو!"

اور میں سچ مُچ وہی انوشا بن گیا جو دِکھائی دیتا تھا۔ ہاں، اتنی بات ضرور تھی کہ میری وہ ماں جِس کے مرنے کے بعد میں پشکلاوتی سے پَرور پُور کی طرف روانہ ہوا تھا، ایک بار پھر میرے سامنے آ گئی تھی اور میں اُس کی خدمت اپنا فرض بلکہ ایک بہت بڑی خوش قسمتی سمجھ کر کر رہا تھا۔ میں اِس خدمت میں وہ لُطف پا رہا تھا جو اپنی زندگی کی بڑی سے بڑی کامیابیاں بھی مجھے نہیں دے سکی تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مُجھے نہ تو وقت کی باگیں اپنے ہاتھ سے

نکل جانے کا غم تھا اور نہ اِس بات کا دُکھ تھا کہ آگ پانی، ہوا اور مٹّی میرے حُکم سے باہر ہو گئے ہیں۔

وقت کی یہ باگیں میرے ہاتھ سے نکل کر میرے پیروں کی بیڑیاں بن گئی تھیں اور آگ، پانی، ہوا اور مٹّی چاروں نے میرے حُکم سے باہر ہو کر مُجھے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ میں خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی آرزو لے کر راجا زَمُورن کے ساتھ مالا بار سے روانہ ہوا تھا مگر تقدیر کے اَن دیکھے ہاتھ نے میرے پاؤں میں جو بیڑیاں ڈال دی تھیں، میں چاہتا بھی تو اُنہیں کاٹ نہیں سکتا تھا۔ میری بُوڑھی ماں میری خبر گیری کی محتاج تھی اور میں اُسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

مُجھے معلُوم ہو چُکا تھا کہ یمن کے قبیلہ قرن کے ایک شخص کو خود خُدا کے سچّے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس وجہ سے مدینے آنے کی

اجازت نہیں دی تھی کہ اُس کی بُوڑھی اور بیمار ماں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔

میرے دِن رات اِس حال میں گُزرتے تھے کہ سارا دِن میں اپنی ماں کے لیے بھاگ دوڑ کرتا رہتا تھا اور ساری رات اُس کی پائنتی کھڑا رہتا تاکہ رات کو اُسے پیاس لگے تو فوراً پیالہ بھر کر اُسے دوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ رات کے وقت پانی مانگتی اور جتنی دیر میں مَیں پانی کا پیالہ لاتا، اُتنی دیر میں اُس کی آنکھ لگ جاتی۔ ایسے میں مُجھے اِتنا حوصلہ نہیں ہوتا تھا کہ اُسے جگا کر پانی پلادوں۔

جیسے جیسے دِن گُزرتے جارہے تھے میری ماں ضعیف ہوتی جارہی تھی۔ اب اُس کے لیے حرکت کرنا اور چلنا پھرنا بھی دشوار ہوگیا تھا۔ میں اُس کی پہلے سے کہیں زیادہ لگن کے ساتھ خدمت کررہا تھا اور یہ بالکل بھول چکا تھا

کہ مُجھے اُس کی خدمت کرتے کتنا عرصہ گزر چکا

اِس عرصے میں مُجھے بہت کم لوگوں سے ملنے کا اتّفاق ہوا تھا۔ ثوبان، راج کُماری چندراوتی اور ثوبان کے چچا کو بھی میں نے دوبارہ نہیں دیکھا تھا، اور میں حیران ہوتا تھا کہ وہ لوگ مدینے میں خُدا کے سچّے اور آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد آخر واپس بھی تو ہوئے ہوں گے۔ پھر وہ مُجھے کیوں نہیں ملے؟ اِس کے ساتھ ہی میں اپنے دِل کو یہ سمجھا لیتا تھا کہ شاید واپسی کے لیے اُنھوں نے کوئی اور راستہ اختیار کر لیا ہوگا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک مدینے ہی میں ہوں۔

وقت کے گُزرنے کا احساس میرے لیے ختم ہو گیا تھا، اور مُجھے نہیں معلُوم تھا کہ باہر کی دُنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ میری دُنیا صرف اپنی ماں اور اُس کی خدمت گزاری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے مُجھے

اِس حال میں سینکڑوں برس گزر گئے ہیں۔

پھر ایک روز ایک عورت ہمارے پاس آئی۔ وہ عراق اور شام کی سرحد پر آباد ایک بستی دُومۃ الجندل کی رہنے والی تھی۔ اُس کی داستان بڑی عجیب اور حیرت میں ڈال دینے والی تھی۔ یہ عورت جادُو ٹونا سیکھنا چاہتی تھی۔ جب اُسے ہارُوت اور مارُوت کی خبر ملی تو وہ بابُل پہنچی، جہاں اُس نے ہارُوت اور مارُوت کو ایک کنویں میں اُلٹا لٹکا دیکھا۔ اُس نے اُن سے جادُو سیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو اُنھوں نے اُسے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانی۔ آخر وہ کہنے لگے کہ "جاؤ، وہ سامنے جو تنور نظر آتا ہے اُس میں خاک ڈال آؤ۔"

عورت نے تنور میں خاک ڈالی تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک نورانی سوار اُس کے بدن سے نکلا اور اوپر آسمان کی طرف اُڑ کر غائب ہو گیا۔ عورت نے واپس آ کر یہ ماجرا ہارُوت اور مارُوت کو بتایا تو وہ بولے۔

"اے عورت! وہ نورانی سوار تیرا ایمان تھا جو تیرے سینے سے نِکل چُکا ہے۔"

یہ کہ کر اُنھوں نے عورت کو جادُو سِکھا دیا اور کہا کہ اب جا، تُو جادُو میں خوب ماہر ہو گئی ہے۔ "جادُو میں اُس کی مہارت کا یہ حال تھا کہ گندم کا دانہ زمین پر ڈال کر اُسے حُکم دیتی تھی تو وہ اُسی وقت اُگ آتا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا پودا بن کر اُس میں بالیاں لگ جاتیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بالیاں خُشک ہو جاتیں اور بالیوں کے دانے آٹا ہو کر روٹی بن جاتے۔

مگر جادُو میں اتنی ماہر ہو جانے پر بھی یہ عورت اپنے ایمان کے چھِن جانے سے شرمندہ تھی اور توبہ کرنا چاہتی تھی، مگر نہیں جانتی تھی کہ اُس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں، اور اگر قبول ہو سکتی ہے تو اُس کے لیے اُسے کیا کُچھ کرنا چاہیے۔

اپنے دِل میں یہی آرزو لیے اُس نے مدینے کا رُخ کیا تھا، مگر مدینے پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چُکا ہے۔ البتّہ ایک اور بزرگ نے عورت کی بات سُن کر یہ جواب دیا تھا:

"اے عورت! اگر تیرے ماں باپ زندہ ہوں تو اُن کی خدمت کر۔ اُن کی دُعا ہی سے تیری توبہ قبول ہو گی اور تُجھے تیرا ایمان واپس ملے گا۔"

اُس عورت کا باپ تو کبھی کا اِس دُنیا سے رُخصت ہو چُکا تھا مگر بُوڑھی ماں تھی جو سِسک سِسک کر زندگی کے دِن پورے کر رہی تھی۔ یہ عورت اب دُومتہ الجندل اپنی ماں کے پاس جا رہی تھی، اور جلد سے جلد وہاں پہنچنا چاہتی تھی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ ہر خُوشی سے مُنہ موڑ کر دِن رات اپنی ماں کی خدمت کرے گی۔ اِس طرح اُسے آس تھی کہ کِسی دِن اُس کی ماں خوش ہو کر اُس کے حق میں دُعا کرے گی اور ماں کی دُعا سے اُس

کا کھویا ہوا ایمان اُسے مل جائے گا۔

یہ عورت ہمیں اپنی عجیب و غریب کہانی سُنا کر آگے روانہ ہو گئی تھی مگر اُس کی کہانی نے ہمیں اُداس کر دیا تھا۔ یہ جان کر مجُھے بہت دُکھ ہوا تھا کہ خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ کبھی کے اِس دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں جن کی خدمت میں حاضر ہونے کی آرزو دِل میں بسائے میں مالا بار سے راجا زَمُورن کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ مگر میری ماں کی اُداسی کی وجہ کُچھ اور تھی۔

اُس عورت کے ہمارے پاس آنے اور ہمیں اپنی داستان سُنانے کی کوئی وجہ ہماری سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ ہم سے ملے بغیر بھی اپنا سفر جاری رکھ سکتی تھی، مگر شاید قُدرت نے اُسے نشانی بنا کر ہمارے پاس بھیجا تھا اور یہ نشانی پہلے سے میری ماں کے عِلم میں تھی۔ بہت پہلے ایک غیبی طاقت نے اُسے اِس بات سے آگاہ کر دیا تھا :

"تیرا بیٹا اُس وقت تک تیرے پاس رہے گا جب تک ایک عورت بابُل اور مدینے سے ہو کر تیرے پاس نہیں آ جاتی۔" اور اب وہ عورت میری ماں سے مل کر جا چُکی تھی۔

اگلے ہی دِن میں ایک بار پھر وہی منظر دیکھ رہا تھا جو کبھی میں نے پشکلاوتی میں دیکھا تھا۔ میری ماں ایک بار پھر مُجھے چھوڑ کر اِس دُنیا سے رُخصت ہو رہی تھی۔ شام تک وہ اچھّی بھلی تھی مگر جیسے ہی اُس رات کا پورا چاند آسمان پر نمودار ہوا، اُس کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ ذرا دیر کے لیے ہوش میں آتی اور پھر بے ہوش ہو جاتی۔ میں اُس کی پٹی سے لگا بیٹھا تھا اور بار بار ایک ہی بات میری زبان پر آ رہی تھی:

"ماں! یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟"

لیکن مُجھے ماں کی طرف سے اپنے سوال کا جواب نہیں مِل رہا تھا۔ پھر جب وہ ایک بار خاصی دیر تک بے ہوش رہنے کے بعد دوبارہ ہوش میں آئی تو اُس کے ہونٹوں پر کمزور سی مُسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رُک رُک کر کہنے لگی :

"انوشا بیٹے! میں نے ابھی ابھی اپنی بڑی بہن کو دیکھا ہے۔ وہ مُجھ سے کہہ رہی تھی کہ اب تو بس کرو۔ اب تو تُم اپنے بیٹے سے خدمت کرا کے میرے برابر ہو گئی ہو۔ بلکہ مُجھے سے بھی بڑھ گئی ہو۔ قُدرت نے تمہارے بیٹے کو تمہاری خدمت کا موقع دے دیا ہے۔ تُم اپنا فرض پورا کر چکی ہو۔ اور بیٹے! میں خود بھی یہی محسوس کر رہی ہوں کہ میرا فرض پورا ہو چکا ہے۔ وہ عورت جو بابُل اور مدینے سے ہو کر یہاں آئی تھی، وہ اِسی بات کی نشانی تھی کہ بس اب میرا اور تمہارا ساتھ ختم ہوا چاہتا ہے۔ سن رہے ہو نا؟"

"سن رہا ہوں، ماں۔" میں نے رُندھے ہوئے گلے سے کہا۔

"روؤ نہیں، بیٹے!" ماں نے کہا۔ "تمہارے رونے سے میری روح بے چین ہوتی ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ روتے ہوئے نہیں، ہنستے مُسکراتے مُجھے رُخصت کرو میرے بیٹے۔"

"ماں! ماں!" میں بے چین ہو کر چیخ اُٹھا۔ ماں کی آواز آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی۔

اُس نے ایک بار پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "میری بہن میری راہ دیکھ رہی ہے، بیٹے۔ میں جا رہی ہوں۔"
"اور میں کیا کروں؟" میں نے بڑے جوش سے کہا۔ "میں کہاں جاؤں؟"

"وہیں۔" ماں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جہاں کے لیے تُم چلے

تھے۔"

یہ کہہ کر وہ پھر بے ہوش ہو گئی، کبھی ہوش میں نہ آنے کے لیے۔

"ماں!" میرے ہونٹوں سے ایک چیخ نکلی اور اِس کے ساتھ ہی میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

# انوشا سے عبداللہ تک

جب میں ہوش میں آیا تو آنکھیں کھول کر اپنے اِردگرد دیکھا۔ میں اپنے خیمے میں لیٹا ہُوا تھا اور میری ماں کی لاش غائب تھی! سب سے پہلا خیال جو میرے دماغ میں آیا وہ یہی تھا کہ شاید میں نے اپنی ماں کی خِدمت کرتے ہوئے جو زندگی گُزاری ہے وہ یا تو خواب تھا یا وہ زندگی شنکر چنڈال کی مایا نگر والی زندگی کی طرح تھی۔ جس طرح شنکر نے دریا میں غوطہ لگانے پر اپنے آپ کو ایک دوسری دُنیا میں پایا تھا، اسی طرح میں نے شاید خواب کے

عالم میں اپنی ماں کی خدمت کی ہے۔ اور جس طرح شنکر نے ایک پُوری زندگی گُزارنے کے بعد پھر اپنے آپ کو دریا میں پایا تھا، اِسی طرح میں نے بھی ایک طویل عرصے تک اپنی ماں کی خدمت کرنے کے بعد اپنے آپ کو اپنے خیمے میں پایا ہے۔

اگر بات میں یہی تھی تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ اب بھی وقت نہیں گیا تھا، میں مدینے پہنچ کر خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ کی خدمت میں حاضری دے سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میں اپنے خیمے سے باہر آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں ثوبان، چندراوتی اور دوسرے لوگوں کے خیمے بدستور لگے ہوں گے، مگر وہاں میرے اپنے خیمے کے سوا اور کوئی خیمہ نہ تھا!

میں سوچنے لگا کہ اگر میری وہ زندگی محض ایک خواب تھی تو ثوبان چندراوتی اور دوسرے لوگوں کے خیمے کیا ہوئے؟ اور اگر سچ مُچ میں نے اپنی ماں کی

خدمت کی ہے تو ماں کی لاش کہاں گئی؟ یا میری یہ زندگی ایسی تھی کہ اِس میں میرا ایک قدم خواب اور دوسرا حقیقت کی دُنیا میں رہا ہے؟

میرا ذہن اِس بارے میں سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ اِس حالت میں، میں نے وہی فیصلہ کیا جو مُجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں مدینے کی طرف روانہ ہو گیا کہ میری منزل وہی تھی اور میری ماں نے بھی مُجھے وہیں جانے کا حُکم دیا تھا، جہاں کے لیے میں چلا تھا۔

میں ابھی مدینے سے کُچھ فاصلے پر تھا کہ مُجھے معلوم ہوا کہ دُومتہ الجندل کی عورت نے ہمیں جو بات بتائی تھی وہ غَلط نہیں تھی۔ خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ کو اِس دُنیا سے رُخصت ہوئے کتنے ہی برس ہو چکے تھے۔ میں اپنی اِس بد نصیبی پر پھُوٹ پھُوٹ کر رویا کہ اپنی تمام کوشش کے باوجود آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت سے محروم رہا۔ مگر عین اُس وقت

جب کہ میں رو رہا تھا، میرے اندر سے ایک آواز آئی :

"انوشا! اِس دُنیا میں خواہش اور کوشش ہر انسان کرتا ہے مگر اُسے ملتا وہی ہے جو اُس کے نصیب میں ہوتا ہے۔ تو ذرا سوچ تو سہی، خُدا کے اِن سچّے اور آخری نبیؐ کی صداقت کی گواہی تو تیرے سارنگ بابا نے بھی دی تھی، مگر اُن کا آخری وقت دھارا نگر ہی میں آگیا۔ خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارمان لے کر ہی تو راجا زَمُورن مالابار سے روانہ ہوا تھا، مگر یمن کے ساحل ہی پر موت نے اُسے اپنے آغوش میں لے لیا تھا۔ تُو تو پھر بھی خوش قسمت ہے کہ یہاں تک آ پہنچا ہے، ورنہ کتنے ہی بد قسمت ایسے ہیں جنھیں سب کُچھ ہوتے ساتے مدینے کی ایک جھلک دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

اپنے اندر سے اُبھری ہوئی یہ آواز سُنتے ہی میں نے آنسو پونچھ ڈالے۔

میں اتنا تو پہلے ہی جان گیا تھا کہ میرے حق میں بُوڑھے جِن کا کہا ہوا حرف حرف پورا ہوا ہے، اور میں، جو وہ نہیں تھا جو دِکھائی دیتا تھا، وہی ہو گیا تھا جو دِکھائی دیتا تھا۔ مُجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اب نہ وقت کی باگیں میرے ہاتھ میں ہیں اور نہ آگ، پانی، ہوا اور مٹّی پر میرا حُکم چلتا ہے۔ سارنگ بابا نے خواب میں آ کر جو بات کہی تھی وہ پوری ہو کر رہی تھی۔ مگر اِس کے باوجود میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اِس سزا کے طور پر میں نے اپنی ماں کی خدمت میں جو زندگی گزاری تھی وہ خواب کی زندگی تھی یا حقیقت کی زندگی؟ مگر اب میں نے اِس اُلجھن کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میری وہ زندگی خواب تھی یا حقیقت، اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مدینے کی روشنی میرے سامنے تھی۔ یہی وہ روشنی تھی جس کی تلاش میں سارنگ بابا اور میں طویل مدّت تک نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتے رہے تھے۔ یہی وہ روشنی تھی جس کی خاطر راجا زَمُورن مالابار کے راج پاٹ سے ہاتھ اُٹھا کر شامل دیپ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ سارنگ بابا دھارا نگر ہی میں رہ گئے

تھے۔ راجا زَمُورن کو یمن کے ساحل پر موت نے آلیا تھا اور میں بھی اپنی ایک غلَطی کے باعث راستے میں اٹک گیا تھا اور خُدا کے سچّے اور آخری نبیؐ میرے پہنچنے سے کئی برس پہلے اِس دُنیا سے رُخصت ہو گئے تھے۔
مگر آپؐ رُخصت ہو گئے تھے تو کیا ہوا، آپؐ کی پھیلائی ہوئی روشنی تو موجود تھی۔ آپؐ کا لایا ہوا پیغام تو دُنیا کو اُجالا بخش رہا تھا، آپؐ کی لائی ہوئی ہدایت تو تاریک دِلوں کو ایمان کے نور سے جگمگا رہی تھی۔ آپؐ تو کُل جہانوں کے لیے ہدایت اور رحمت بن کر آئے تھے۔ آپؐ اِس دُنیا سے جا چکے تھے، مگر دُنیا والے اپنی اپنی ہمّت اور توفیق کے مطابق رحمت، ہدایت اور ایمان کی اِس دولت سے جھولیاں بھر بھر کے اپنی بگڑی بنا رہے تھے، سوئے ہوئے نصیب جگا رہے تھے۔
اِس لحاظ سے میں دیر ہی سے سہی مگر منزل پر تو آ پہنچا تھا۔ میں خوش نصیب تھا اور میری یہ خوش نصیبی بُہت بڑی خوش نصیبی تھی۔ اور یہ

میری خوش نصیبی ہی کا کمال تھا کہ میں نے رحمت وہدایت کی اِس دولت سے اپنی جھولی بھرلی۔ جب کُچھ عرصے بعد میں مالابار کی طرف واپس روانہ ہوا تو میں انوشا سے عبداللہ بن چُکا تھا۔ میرا سینہ نہ صرف ایمان کی روشنی سے جگمگا اٹھا تھا بلکہ خدا کا وہ مقدّس اور پاکیزہ کلام بھی جو اُس نے اپنے سچّے اور آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُتارا تھا میرے سینے میں محفوظ ہوگیا تھا۔ اسلام، ایمان اور قرآن کی وہ نعمت مُجھے میسّر آگئی تھی جس کے سامنے دُنیا کی ساری نعمتیں اور ساری دولتیں ہیچ ہیں۔

# دھارا نگر میں

یہ زندگی میری ایک نئی زندگی تھی۔ پہلے میں تاریکی میں تھا، اب روشنی میں آگیا تھا۔ پہلے میں گُم راہی کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا، اب ہدایت کے اُجالوں میں آگیا تھا۔ پہلے میں شیش ناگ اور تکشک ناگ کے سائے میں تھا، مگر اب خُدا کی ہدایت اور اُس کے نبیؐ کی رحمت مُجھ پر اپنا سایہ کیے ہوئے تھی۔ پہلے میں نے شیش، تکشک اور واسکی کی مُورتیوں کے سامنے سر جھُکایا تھا، مگر اب میرا سر صرف اپنے پیدا کرنے والے خُدا

کے حضور جھُکتا تھا۔

اب میں وہ انوشا نہیں تھا جس کی زندگی ناگوں سے کھیلتے گزری تھی، جس کا ایک قدم انسانوں کی دُنیا تھا اور دوسرا ناگوں کی دُنیا میں اور اکثر یہ دونوں دُنیائیں یوں گڈمڈ ہو جاتی تھیں کہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ انسانوں کی دُنیا کون سی ہے اور ناگوں کی دُنیا کون سی! یہ سب بہت پیچھے رہ گیا تھا اور میرے لیے ایک بھولی بسری کہانی بن چکا تھا۔ میری نئی زندگی میں، اندھیرے میں رینگنے والے، اُن ناگوں کے لیے اب کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔

اب میں وہ انوشا بھی نہیں تھا جس نے سُنہری ناگ کا مَن دُودھ میں گھول کر پی لیا تھا، جس نے کیسر ناگ کا آدھا جسم کھا کر پُراسرار طاقت حاصل کر لی تھی، اور جس نے شہر بھوگ متی کے ناگ سین کے جوگی بھائی کا کی لاش

سے مُقابلہ کر کے اُس لاش کی زبان حاصل کی تھی۔

میں وہ انوشا بھی نہیں تھا جس نے سکندر بادشاہ کے دربار میں پانچ خوف ناک سپیروں کے ساتھ مُقابلہ کیا تھا، جس نے در بہ در پھرتے ہوئے نوجوان چندر گُپت کو آن کی آن میں سکندر کے سامنے سے اُٹھا کر جہلم کے پار پہنچا دیا تھا، جس نے چندر گُپت کو پاٹلی پُتر کا تخت حاصل کرنے میں مدد دی تھی، جس نے چندر گُپت ہی نہیں، اُس کے پوتے اشوک اور دوسرے کتنے ہی راجاؤں کی مُشکلیں آسان کی تھیں، جِس کے سامنے بڑے بڑے راجاؤں نے سر جھُکایا تھا، جِس کے آگے بڑے بڑے بلوانوں نے کان کھڑے تھے اور ماتھا رگڑا تھا، جس نے بہت کُچھ کیا تھا اور بہت کُچھ کر کے دِکھایا تھا۔ مگر اب وہ اِس سب کُچھ کو اپنے دامن سے گرد کی طرح جھٹک کر انوشا سے عبداللہ بن چُکا تھا۔

میں نے مالا بار کا دوبارہ رُخ اِس لیے کیا تھا کہ راجا زَمُورن نے مرتے وقت مُجھے جو حُکم دیا تھا، اُس کی تعمیل کر سکوں۔ اپنے آخری وقت میں راجا نے مُجھ سے کہا تھا: "تمھارے لیے میرا ایک ہی حُکم ہے، انوشا جی! ہو سکے تو مالا بار جانا اور میرے لوگوں کو یہ پیغام دینا کہ وہ خُدا کے سچّے نبیؐ پر ایمان لائیں کہ اِسی میں اُن کی بھلائی ہے۔"

راجا زَمُورن کے مرنے کی خبر مالا بار کے لوگوں کو پہلے ہی مِل چُکی تھی۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد ثوبان اور چندراوتی میاں بیوی کی حیثیت سے مالا بار سے ہوتے ہوئے سراندیپ گئے تھے۔ انھی کی زبانی لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ اُن کا راجا، جو راج پاٹ سے ہاتھ اُٹھا کر سچّے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیّت سے عرب دیس کی طرف روانہ ہوا تھا، یمن کے ساحل ہی پر موت کی آغوش میں پہنچ گیا تھا،

اور مرتے وقت اُس نے جو حُکم دیا تھا، اُسے بجا لانے کے لیے میں مالا بار آیا تھا۔

خُدا کی شان دیکھیے کہ جب میں نے مالا بار کے لوگوں کو ہدایت اور بھلائی کے اِس راستے کے بارے میں بتایا تو سب سے پہلے اِس ہدایت کو قبول کرنے والے کام روپ کے بگڑے راج کُمار کے وہ آٹھ ساتھی تھے جو کہ کدنگا نُور ہی میں تھے۔ اُنھوں نے راج کُمار چتر سین کا ساتھ دیتے ہوئے سمُندری ڈاکوؤں کے ساتھ ہمارے جہاز پر حملہ کیا تھا اور اِس حملے میں چتر سین اپنے انجام کو پہنچا تھا تو اُس کے اِن ساتھیوں کو مالا بار کی طرف جانے والے ایک جہاز میں واپس بھجوا دیا تھا تاکہ اُن کا جی چاہے تو کام روپ چلے جائیں اور اُن کے ذریعے کام روپ کے راجا اگر سین کو اتنا تو معلُوم ہو سکے کہ اُس کے بگڑے لچھنوں والے لاڈلے راج کُمار چتر سین پر کیا کُچھ

بیتی۔

مگر اُن میں سے کوئی بھی کام روپ واپس نہیں گیا تھا۔ وہ وہیں کد نگا نُور میں رُک گئے تھے اور چتر سین کے ساتھیوں کی حیثیت سے انہوں نے جو بُری شہرت کمائی تھی، اُس کے داغوں کو اپنے دامن سے دھونے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِس کے ساتھ ہی خُدا نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ اُنہوں نے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اُسے پھیلانے میں بھی میری مدد کی۔

اور پھر مُجھے اُس شخص کی یاد ستانے لگی جس نے مُجھے ہدایت اور روشنی کے اُس راستے پر ڈالا تھا اور میں اُسی راستے پر ہو لیا جس سے مالا بار آیا تھا۔ وہ راستہ جو دھارا نگر کو جاتا تھا، اُس دھارا نگر کو جہاں میں اپنے سارنگ بابا کو منوں مٹّی کے نیچے دبا کر مالا بار کی طرف آیا تھا۔ میں جو کُچھ بھی تھا، انہی کی

بدولت تھا۔ جب میں شیش اور تکشک کے سائے میں تھا تو تب بھی مُجھے جو کُچھ حاصل ہوا تھا، انہی کی محنت اور مہربانی سے حاصل ہوا تھا، اور اب جب کہ مُجھ پر خُدا کی ہدایت اور اُس کے پیارے نبیؐ کی رحمت کا سایہ تھا اور میرا سینہ اسلام، ایمان اور قرآن کی لازوال دولت سے مالا مال تھا، تو یہ بھی انہی کی مہربانی تھی۔ مُجھے اِس راستے پر ڈالنے والے وہی تھے۔

اور جب دھارا نگر پہنچ کر میری نظریں منوں مٹّی کے اُس ڈھیر پر پڑیں جس کے نیچے میں سارنگ بابا کو دبا گیا تھا تو میرے جذبات بے قابو ہو گئے۔ میں ایک چیخ مار کر اُس ڈھیر پر گر پڑا:

"بابا! سارنگ بابا! دیکھو میں واپس آ گیا ہوں۔ مُجھے ہدایت کی روشنی مل گئی ہے۔ میرے سینے میں ایمان کا اُجالا ہو گیا ہے۔ میں نے کلمہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ پڑھ لیا ہے۔ اب میں انوشا نہیں، عبداللہ ہوں! عبداللہ ہوں!"

"اچھّا ہوا کہ تُم آ گئے، اور یہ بھی اچھّا ہوا کہ تمہیں ایمان کی وہ روشنی مل گئی، جو سچّی روشنی ہے۔ تُم اپنی ماں کی خدمت کر کے اپنی سزا بھی پوری کر چُکے ہو۔ اب شیل شر نگن جاؤ تو آگ، پانی، ہوا اور مٹّی چاروں پھر تمہارا حُکم ماننے لگیں گے۔"

"نہیں بابا جی!" اس چیخ پڑا۔ "مُجھے اِن میں سے کوئی چیز نہیں چاہیے۔ مُجھے ایمان کی دولت مل چُکی ہے۔ اِس کے مُقابلے میں باقی سب چیزیں ہیچ ہیں۔" اِس کے جواب میں جیسے سارنگ بابا کی آواز آئی۔ "میں جانتا تھا کہ تمہارا جواب یہی ہو گا۔ انوشا جب انوشا تھا تو اُس وقت بھی اُس نے سارنگ بابا کو مایوس نہیں کیا تھا تو اب کہ وہ انوشا سے عبداللہ بن چُکا ہے، سارنگ بابا کو کیسے مایوس کر سکتا ہے۔ عبداللہ بیٹے کیا تُم مُجھے خُدا کا وہ مقدّس اور پاکیزہ کلام نہیں سُناؤ گے جو اُس نے اپنے سچّے نبیؐ پر اُتارا

ہے؟"

میں یہ سُن کر اُٹھا، وضو کیا اور پھر سارنگ بابا کی قبر کے پاس بیٹھ کر خُدا کا مقدّس اور پاکیزہ کلام پڑھنے لگا جو اُس نے اپنے آخری نبیؐ پر اُتارا تھا اور جو خُدا کی ہدایت اور مہربانی اور اُس کے نبیؐ کی رحمت کے کے طفیل میرے سینے میں محفوظ ہو گیا تھا۔

اور اِس کے بعد سارنگ بابا کی قبر کی مٹّی نے جیسے میرے قدم پکڑ لیے۔

اب مُجھے سارنگ بابا کی قبر کے پاس بیٹھ کر خُدا کا مقدّس اور پاکیزہ کلام پڑھنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

# عبداللہ سارنگ

مالوہ کے علاقے میں دریائے چنبل کے کنارے، شہر دھارا نگر کے باہر، ایک قبر آج بھی موجود ہے۔ لوگ اُسے بابا عبد اللہ سارنگ کا مزار کہتے ہیں۔ یہ وہ قبر ہے جِس میں سارنگ بابا اور عبداللہ (انوشا) ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔ عبداللہ اور سارنگ بابا کے دو نام لوگوں کی زبان پر چڑھ کر ایک نام بن گئے ہیں۔

ختم شد